انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ حیاتِ نو

مدیر مسئول: سید راشد حامدی —— مدیر: ابوالاعلی سید سبحانی

جلد:۲، شمارہ:۸، اپریل ۲۰۱۸ء/رجب المرجب۔شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ

مجلس ادارت

محمد اسماعیل فلاحی............نئی دہلی

زبیر ملک فلاحی............لکھنؤ

انیس احمد فلاحی............جامعۃ الفلاح

فی شمارہ:	اندرون ملک	۳۰/روپے
	بیرون ملک	۵/امریکی ڈالر
سالانہ زرتعاون:	اندرون ملک	۳۰۰/روپے
	بیرون ملک	۲۰/امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ:	اندرون ملک	۵۰۰۰/روپے
	بیرون ملک	۳۰۰/امریکی ڈالر

- رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔
- مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Printed, Published & Owned by Sayyed Rashid Ali,F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Printed at**: Ala Printing Press, 3636, Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006. **Published at**:F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Editor: Abul Aala Sayyed**

نقوشِ حیات

اداریہ	ابوالاعلیٰ سید سبحانی	۳
اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۲۸)	ڈاکٹر محی الدین غازی	۵
افاداتِ جلیل احسن ندویؒ (۵)	ظفر احمد الاثری	۱۳
محبت رسولؐ کے بعض وسائل	سراج احمد برکت اللہ فلاحی	۲۳
روزہ کی حقیقت	جوہر جاوید گیاوی	۳۲
ہندو اہل علم کی سیرت نگاری (۲)	ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی	۴۰
ایک تعلیمی سفر	مولانا محمد محفوظ فلاحی	۴۹
کیا خطا میری تھی	برہان بن غفران فتح محمد	۶۲
بچاؤ۔۔۔اُس آگ سے	فرحین اسرار فلاحی	۶۴
مشاہیر کے خطوط	ادارہ	۶۹
شعر ونغمہ	شرکائے بزم	۷۲
تعارف وتبصرہ	محمد معاذ، محمد اسعد فلاحی، سعید اختر اعظمی	۷۶
آپ کے خطوط	قارئین	۸۲
جامعہ کے لیل ونہار واخبار انجمن	مصباح الباری فلاحی	۸۶

خط وکتابت وارسال زر کا پتہ

Zeeshan Apartment, F-9, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025

Email: jareedahayatenau@gmail.com

موبائل نمبر (مدیر مسئول): +91-9811126467

موبائل نمبر (مدیر): +91-9891051676

اداریہ

اپنی بات

قرآن مجید عدل وانصاف پر مبنی رویہ تشکیل دیتا ہے۔ قرآن مجید جس معاشرے کی تشکیل کی بات کرتا ہے عدل وانصاف کا قیام اس معاشرے کا بنیادی اصول ہے۔ سماجی تعلقات کے سلسلے میں یہ ایک اہم بنیاد ہے، جو قرآنی تعلیمات کے مطالعہ سے سامنے آتی ہے۔

عدل وانصاف شریعت کے کلی اور بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ یہ انسان کے بنیادی حقوق سے آگے بڑھ کر انسان کی بنیادی ضرورتوں میں داخل ہے۔ عدل وانصاف کا رویہ مضبوط سماجی تعلقات کی بہت ہی اولین بنیادوں میں سے ہے۔ شریعت کی منشأ ہے کہ اس دنیا میں عدل وانصاف قائم ہو، اور یہ عدل وانصاف ہر کسی کے لیے عام ہو اور ہر کسی کے لیے یقینی بنایا جائے، خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ کیونکہ جہاں عدل وانصاف نہیں ہوگا وہاں ظلم ہوگا، اور ظلم خواہ کسی کے ساتھ ہو اور کسی بھی شکل میں ہو، وہ اللہ رب العزت کو بالکل ہی ناپسند ہے۔

'العدل' اللہ رب العزت کے اسماءِ حسنی میں شامل ہے اور قرآن مجید میں اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی عظمت کی نشانی کے طور پر پیش کیا گیا ہے:

فَلِذَلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءهُمْ وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ۔ (الشوریٰ:۱۵)

مسلم حکمرانوں اور اہل حل وعقد کو بہت ہی تاکید کے ساتھ ہدایت دی گئی کہ وہ اپنے منصب کا پورا پورا لحاظ رکھیں اور لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کریں:

إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ إِنَّ اللّهَ كَانَ سَمِيعاً بَصِيراً۔ (النساء:۵۸)

عدل اہل اسلام کا لازمی وصف ہے، قرآن مجید میں اہل اسلام کو بار بار اس بات کی تلقین کی گئی کہ ان کا رویہ عدل وانصاف پر مبنی ہونا چاہیے خواہ اس کی زد میں ان کا بڑے سے بڑا اور قیمتی سے قیمتی

مفاد ہی کیوں نہ آجائے، بہرحال انہیں اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے عدل وانصاف کا راستہ ہی اختیار کرنا چاہیے، فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاء لِلّهِ وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيّاً أَوْ فَقَيراً فَاللّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلاَ تَتَّبِعُواْ الْهَوَى أَن تَعْدِلُواْ وَإِن تَلْوُواْ أَوْ تُعْرِضُواْ فَإِنَّ اللّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيراً۔ (النساء:۱۳۵)

ایک اور جگہ کہا گیا:

إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيتَاء ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۔ (النحل:۹۰)

مذکورہ بالا آیات میں ایک اہم چیز یہ دیکھنے کی ہے کہ جہاں جہاں قرآن مجید میں عدل وانصاف کی تلقین کی گئی ہے، کہیں بھی اس کو اہل اسلام کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کو عام اسلوب میں پیش کیا گیا ہے اور شواہد بتاتے ہیں کہ تمام ہی انسانوں کے ساتھ اس کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ سورہ مائدہ کی آیت میں یہ چیز اور زیادہ واضح ہوجاتی ہے، کہا گیا کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم عدل وانصاف کا راستہ چھوڑ بیٹھو، بلکہ صحیح اور مطلوب بات یہ ہے کہ عدل وانصاف کا رویہ اختیار کرو، یقیناً یہ تقوی کا تقاضا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ لِلّهِ شُهَدَاء بِالْقِسْطِ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُواْ اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۔ (المائدۃ:۸)

اسلام انسان کو عظمت دیتا ہے، اس طور پر کہ وہ انسان ہے اور اسے بار بار انسانی عظمت کی پاسداری کی تلقین کرتا ہے، اور عام انسانی مسائل میں اس کے سلسلے میں جو بھی موقف اختیار کرتا ہے، وہ بحیثیت انسان اختیار کرتا ہے، مذہب کی بنیاد پر انسانوں کے درمیان بنیادی انسانی مسائل کے سلسلے میں وہ کسی بھی قسم کی تفریق روا نہیں رکھتا۔

(ابوالاعلی سید سبحانی)

اردو تراجم قرآن پر ایک نظر (۲۸)

(مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں)

ڈاکٹر محی الدین غازی، ای میل:mohiuddin.ghazi@gmail.com

اس مضمون میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا اہم اور عظیم کام کرنے والوں کی تحسین میں کچھ رقم کیا جائے کہ اتنی عظیم خدمت مختلف شخصیات کے ذریعہ جس قدر ہمت واہتمام سے انجام دی گئی، وہ محتاج بیان وستائش نہیں ہے۔

پیش نظر تحریر میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے ترجمہ کا کام بہت ضروری مگر نازک عمل ہے، اس میں غلطی کے امکانات کو کم سے کم کرتے رہنے کی مسلسل کوشش ضروری ہے، قرآن اللہ کا کلام ہے، تاہم اس کلام کا ترجمہ ایک انسانی کوشش ہوتی ہے، جس میں غلطیوں کا امکان ہمیشہ باقی رہتا ہے، اسی لئے جو ترجمہ جتنا زیادہ مشہور ومتداول ہے اس کا بار بار گہرائی اور باریک بینی سے جائزہ لیتے رہنا بھی اسی قدر زیادہ ضروری ہے۔ اس جائزہ میں نہ کسی طرح کا احترام مانع ہونا چاہئے اور نہ کوئی نسبت حائل ہونی چاہئے، راقم کی رائے میں ہونا تو یہ چاہئے کہ ترجمہ قرآن کا کام اجتماعی طور پر اکیڈمی کی سطح پر اور متعدد بار متعدد ماہرین لغت کی نظر سے گذرنے کے بعد قابل اشاعت سمجھا جائے، اور اشاعت کے بعد بھی نظر ثانی کا کام جاری رہے۔ لیکن بوجوہ تراجم قرآن کے ساتھ ایسا اہتمام نہیں ہوسکا۔ عام طور سے ہر ترجمہ قرآن ایک انفرادی کوشش رہی ہے، اور اس لئے غلطیوں کا امکان کسی نہ کسی حد تک ہر ترجمہ میں پایا جاتا ہے۔

----

(۱۲۱) یستعتبون کا ترجمہ

قرآن مجید میں لفظ یستعتبون تین مقامات پر آیا ہے، اور ایک مقام پر یستعتبوا آیا ہے۔ مختلف ترجموں کو سامنے رکھنے پر اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ کرنے والوں کو اس سلسلے میں کسی ایک مفہوم پر اطمینان نہیں تھا، اس لیے ایک ہی مترجم کے یہاں ایک ہی لفظ کے مختلف مقامات پر مختلف ترجمے ملتے ہیں۔

عربی لغات دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ استعتب کے لفظ میں وسعت ہے۔ اس لفظ کا مطلب فیروزآبادی یوں بیان کرتے ہیں: استَعتَبَه: أعطاه العُتبى، كأَعتَبه، وطَلَبَ اليه العُتبى، ضِدٌّ. القاموس المحيط.

اس لفظ کا ایک مفہوم یہ ہے کہ کسی سے کسی کی ناراضگی دور کرنے کو کہا جائے، ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ کوئی کسی سے راضی ہوجائے، اور ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ کوئی کسی سے اس کی ناراضگی دور کرنے کا موقع مانگے۔

اس تیسرے مفہوم کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: وَلَا بَعدَ الموتِ مِن مُستَعتَبٍ ؛ یعنی مرنے کے بعد ناراضگی دور کرنے کا موقع نہیں رہے گا۔ علامہ ابن منظور اس حدیث کی بہت مناسب تشریح کرتے ہیں: أي لَيسَ بَعدَ المَوتِ مِن استِرضاءٍ، لأَن الأَعمال بَطَلَت، وانقَضَت زَمانُها، وَمَا بَعدَ الموت دارُ جزاءٍ لَا دارُ عَمَلٍ. لسان العرب

جہاں لفظ کے مفہوم میں وسعت ہو وہاں موقع ومحل کے لحاظ سے مناسب مفہوم کی تعیین ضروری ہوتی ہے۔

تینوں آیتوں میں ”لا یستعتبون “ کا بعض لوگ ترجمہ کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ان سے توبہ واستغفار کا اور رب کو راضی کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ مفہوم قیامت کے حالات سے مطابقت نہیں رکھتا ہے، کسی عمل کا مطالبہ اس سے کیا جاتا ہے جو وہ عمل کر نہیں رہا ہو، مجرموں کا حال تو یہ ہوگا کہ قیامت برپا ہوتے ہی معافی مانگنے میں لگ جائیں گے، اور چلا چلا کر توبہ واستغفار کریں گے، ایسے لوگوں کے بارے میں یہ کہنا کہ ان سے توبہ واستغفار کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، مناسب حال معلوم نہیں ہوتا ہے۔

بعض لوگ ترجمہ کرتے ہیں کہ وہ منائے نہیں جائیں گے، یہ بھی مناسب حال ترجمہ نہیں ہے، کیونکہ وہاں سوال مجرموں کو منائے جانے کا ہوگا ہی نہیں، سوال تو خود مجرموں کے سامنے ہوگا کہ وہ رب کو کیسے منائیں۔

بعض لوگ ترجمہ کرتے ہیں کہ ان کی معافی یا معذرت قبول نہیں کی جائے گی، اس مفہوم میں کمزوری یہ ہے کہ استعتب عتبی سے نکلا ہے، جس کا مطلب محض معافی اور معذرت نہیں بلکہ منانا اور راضی کرنا ہے۔ اس میں پچھلی غلطیوں کی تلافی کرنا اور خوش کرنے والے عمل کرنا شامل ہے۔

قیامت کے دن اور عذاب کی حالت کو سامنے رکھیں تو مناسب حال مفہوم یہ سامنے آتا ہے کہ مجرمین بار بار درخواست کریں گے کہ انہیں ایک بار اللہ کی ناراضگی دور کرنے کا موقعہ دیا جائے، لیکن انہیں ایسا کوئی موقعہ نہیں دیا جائے گا۔

اس وضاحت کے بعد مندرجہ ذیل ترجمے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيداً ثُمَّ لاَ يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُواْ وَلاَ هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ۔ (النحل:84)

''اور (خیال کرو اس دن کا) جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے، پھر جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا نہ ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی اور نہ ان سے یہ فرمائش ہوگی کہ وہ خدا کو راضی کریں'' (امین احسن اصلاحی)

''(اِنہیں کچھ ہوش بھی ہے کہ اُس روز کیا بنے گی) جبکہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے، پھر کافروں کو نہ حجتیں پیش کرنے کا موقع دیا جائیگا نہ ان سے توبہ و استغفار ہی کا مطالبہ کیا جائے گا'' (سید مودودی)

''''اور جس دن ہم ہر امت میں سے گواہ کھڑا کریں گے پھر کافروں کو نہ اجازت دی جائے گی اور نہ ان سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا'' (محمد جوناگڑھی)

''اور جس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ اٹھا کر کھڑا کریں گے پھر کافروں کو اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ہی ان سے اللہ کو راضی کرنے کی فرمائش کی جائے گی'' (محمد حسین نجفی)

''اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر امت میں سے ایک گواہ پھر کافروں کو نہ اجازت ہو نہ وہ منائے جائیں'' (احمد رضا خان)

''اور جس دن ہم ہر اُمت میں سے گواہ (یعنی پیغمبر) کھڑا کریں گے تو نہ تو کفار کو (بولنے کی) اجازت ملے گی اور نہ اُن کے عذر قبول کئے جائیں گے'' (فتح محمد جالندھری)

مولانا امانت اللہ اصلاحی متعلقہ حصے کا ترجمہ کرتے ہیں: ''اور نہ انہیں ناراضگی دور کرنے کا موقعہ

دیا جائے گا‘‘۔

(۲) فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ۔ (الروم:57)

’’پس اس دن ان لوگوں کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہوگا اور نہ ان سے یہ چاہا جائے گا کہ وہ خدا کو راضی کریں‘‘ (امین احسن اصلاحی)

’’پس وہ دن ہوگا جس میں ظالموں کو ان کی معذرت کوئی نفع نہ دے گی اور نہ ان سے معافی مانگنے کے لیے کہا جائے گا‘‘ (سید مودودی)

’’تو اس دن ظالموں کو نفع نہ دے گی ان کی معذرت اور نہ ان سے کوئی راضی کرنا مانگے‘‘ (احمد رضا خان)

’’پس اس دن ظالموں کو ان کا عذر بہانہ کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان سے توبہ اور عمل طلب کیا جائے گا‘‘ (محمد جونا گڑھی)

’’سو اس دن ظالموں کو ان کی معذرت کوئی فائدہ نہیں دے گی اور نہ ہی ان سے (توبہ کرکے) خدا کو راضی کرنے کیلئے کہا جائے گا‘‘ (محمد حسین نجفی)

’’تو اس روز ظالم لوگوں کو ان کا عذر کچھ فائدہ نہ دے گا اور نہ اُن سے توبہ قبول کی جائے گی‘‘ (فتح محمد جالندھری)

مولانا امانت اللہ اصلاحی متعلقہ حصے کا ترجمہ کرتے ہیں: ’’اور نہ انہیں ناراضگی دور کرنے کا موقعہ دیا جائے گا‘‘۔

(۳) ذَلِكُم بِأَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُواً وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ۔ (الجاثیۃ:35)

’’یہ تمہارا انجام اس لیے ہوا ہے کہ تم نے اللہ کی آیات کا مذاق بنا لیا تھا اور تمہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا لہٰذا آج نہ یہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے کہا جائے گا کہ معافی مانگ کر اپنے رب کو راضی کرو" (سید مودودی)

’’یہ اس لیے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کا ٹھٹھا (مذاق) بنایا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں فریب دیا تو آج نہ وہ آگ سے نکالے جائیں اور نہ ان سے کوئی منانا چاہے‘‘ (احمد رضا خان)

’’یہ اس لیے ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا، پس آج کے دن نہ تو یہ (دوزخ) سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے عذر و معذرت

قبول کیا جائے گا‘‘ (محمد جونا گڑھی)

’’یہ اس لئے کہ تم نے خدا کی آیتوں کو مخول بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ سو آج یہ لوگ نہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کی توبہ قبول کی جائے گی‘‘ (فتح محمد جالندھری)

’’یہ اس وجہ سے کہ تم نے اللہ کی آیات کا مذاق اڑایا اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکے میں ڈالے رکھا۔ پس آج نہ تو وہ اس سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کو معذرت پیش کرنے کا موقع دیا جائے گا‘‘ (امین احسن اصلاحی)

’’یہ سب اس لئے ہے کہ تم نے آیاتِ الٰہی کا مذاق بنایا تھا اور تمہیں زندگانی دنیا نے دھوکے میں رکھا تھا تو آج یہ لوگ عذاب سے باہر نہیں نکالے جائیں گے اور انہیں معافی مانگنے کا موقع بھی نہیں دیا جائے گا‘‘ (جوادی)

’’یہ اس لئے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑایا تھا اور دنیاوی زندگی نے تمہیں دھوکہ میں مبتلا کیا۔ پس وہ آج نہ تو اس (دوزخ) سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کو معذرت (خدا کو راضی) کرنے کا موقع دیا جائے گا‘‘ (محمد حسین نجفی)

آخر الذکر تینوں ترجموں میں یہ مفہوم اختیار کیا گیا ہے کہ انہیں موقع نہیں جائے گا، جو درست ہے۔ البتہ معافی اور معذرت کی بجائے راضی کرنے کا مفہوم زیادہ درست ہے۔

(٤) فَإِن يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ وَإِن يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُم مِّنَ الْمُعْتَبِينَ۔ (فصلت:24)

’’پس اگر وہ صبر کریں تو دوزخ ہی ان کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ معافی مانگیں گے تو ان کو معافی نہیں ملے گی‘‘ (امین احسن اصلاحی)

’’اب اگر یہ صبر کریں گے تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور اگر توبہ کریں گے تو ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی‘‘ (جالندھری)

’’اس حالت میں وہ صبر کریں (یا نہ کریں) آگ ہی ان کا ٹھکانا ہوگی، اور اگر رجوع کا موقع چاہیں گے تو کوئی موقع انہیں نہ دیا جائے گا‘‘ (سید مودودی)

مذکورہ بالا ترجموں میں آخر الذکر ترجمہ زیادہ درست ہے۔ البتہ رجوع کے بجائے راضی کرنے کا مفہوم زیادہ مناسب ہے۔

(۱۲۲) قِطَعًا مِنَ اللَّيلِ مُظلِمًا کا ترجمہ

وَالَّذِينَ كَسَبُواْ السَّيِّئَاتِ جَزَاء سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَّا لَهُم مِّنَ اللّهِ مِنْ عَاصِمٍ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعاً مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِماً أُوْلَـئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ (یونس:27)

مذکورہ بالا آیت میں قطعا من اللیل کے بعد مظلما آیا ہے، عام طور سے مظلما کو اللیل کا حال قرار دیا گیا ہے، اور اسی کے لحاظ سے ترجمہ بھی کیا گیا ہے، یعنی تاریک رات کے ٹکڑے۔ بعض لوگوں نے مظلما کو قطعا کی صفت قرار دیا ہے، اس دوسری توجیہ پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ قطعا جمع ہے، اس کی صفت کو مذکر کی بجائے مونث یعنی مظلما کی بجائے مظلمۃ ہونا چاہئے تھا، اس اشکال کا جواب بھی دیا گیا ہے جو تکلف سے بھرپور ہے۔ اس دوسری توجیہ کے مطابق جملے کا مطلب ہوتا ہے رات کے تاریک ٹکڑے۔ لغت کے عام قاعدے کے مطابق پہلی توجیہ درست ہے۔ عام طور سے مترجمین نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے، البتہ صاحب تفہیم نے دوسرا ترجمہ کیا ہے۔

''اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں ان کی بُرائی جیسی ہے ویسا ہی وہ بدلہ پائیں گے، ذلّت ان پر مسلّط ہوگی، کوئی اللہ سے ان کو بچانے والا نہ ہوگا، ان کے چہروں پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہوگی جیسے رات کے سیاہ پردے ان پر پڑے ہوئے ہوں، وہ دوزخ کے مستحق ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے'' (سید مودودی)

جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی کہ مظلما (تاریک) کا لفظ رات کے سلسلے میں آیا ہے نہ کہ ٹکڑوں کے سلسلے میں، اس لئے رات کے سیاہ پردے درست ترجمہ نہیں ہے سیاہ رات کے ٹکڑے درست ترجمہ ہے۔

اسی سے ملتی جلتی ایک غلطی مذکورہ ذیل ترجمے میں بھی نظر آتی ہے:

''جیسے ڈھانک دیا ہے ان کے مونھ پر ایک اندھیرا ٹکڑا رات کا'' (شاہ عبدالقادر)

یہاں ترجمہ میں ٹکڑا واحد ہے، جب کہ آیت میں قطع جمع کا صیغہ ہے، احساس ہوتا ہے کہ شاہ عبدالقادر کو قرأت کے سلسلے میں اشتباہ ہوگیا، اور انہوں نے غلطی سے دوسری قرأت کا ترجمہ یہاں کردیا۔ اس امر کی مزید تفصیل یہ ہے کہ قطع میں اگر ط پر فتحہ (زبر) ہو تو جمع کے معنی میں ہوتا ہے، اور اگر ط پر سکون (جزم) ہو تو واحد کے معنی میں ہوتا ہے، آیت کی ایک قرأت سکون کی بھی ہے، اس کے لحاظ سے مظلما اس کی صفت بھی بن سکتا ہے، اور اس قرأت کے لحاظ سے شاہ عبدالقادر کا ترجمہ درست بھی

ہوجائے گا،لیکن جو قرأت ہمارے اور خود ان کے سامنے رہی ہے،اس کے لحاظ سے یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔

كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعاً مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِماً کے بعض درست ترجمے بھی ملاحظہ ہوں:

''گویا کہ اڑھائے گئے ہیں مونھ ان کے ٹکڑے رات اندھیری کے''(شاہ رفیع الدین)

''گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت کے پرت لپیٹ دئے گئے ہیں''(اشرف علی تھانوی)

''گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے ٹکڑے چڑھا دیئے ہیں''.(احمد رضا خان)

(۱۲۳) فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُم کا ترجمہ

عربی لغات کے مطابق زیّــــل کا مطلب ہوتا ہے ایک دوسرے سے الگ کرنا،اور ایک دوسرے سے جدا کرنا۔

اسی سے فعل لازم تــــزیّــل ہے،جس کا مطلب ہوتا ہے ایک دوسرے سے الگ اور جدا ہوجانا۔ قرآن مجید میں دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں،تـزیّل کا مطلب سب لوگوں نے الگ ہونا کیا ہے،جیسا کہ مذکورہ ترجمہ سے ظاہر ہے:

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاء مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَؤُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَاباً أَلِيماً۔ (الفتح:25)

''اگر(مکہ میں)ایسے مومن مرد وعورت موجود نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے،اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ نادانستگی میں تم انہیں پامال کردو گے اور اس سے تم پر حرف آئے گا(تو جنگ نہ روکی جاتی روکی وہ اس لیے گئی)تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرلے وہ مومن الگ ہو گئے ہوتے تو(اہل مکہ میں سے)جو کافر تھے ان کو ہم ضرور سخت سزا دیتے''(سید مودودی)

البتہ زیّل کے ترجمے میں صاحب تفہیم نے ایک الگ راہ نکالنے کی کوشش کی ہے،مذکورہ ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعاً ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُواْ مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ۔(یونس:28)

''جس روز ہم ان سب کو ایک ساتھ(اپنی عدالت میں)اکٹھا کریں گے،پھر ان لوگوں سے

جنہوں نے شرک کیا ہے کہیں گے کہ ٹھیر جاؤ تم بھی اور تمہارے بنائے ہوئے شریک بھی، پھر ہم ان کے درمیان سے اجنبیّت کا پردہ ہٹا دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے''(سید مودودی)

صاحب تفہیم اپنے اس ترجمہ کی تشریح میں لکھتے ہیں: اس کا مفہوم بعض مفسرین نے یہ لیا ہے کہ ہم ان کا باہمی ربط و تعلق توڑ دیں گے تا کہ کسی تعلق کی بنا پر وہ ایک دوسرے کا لحاظ نہ کریں، لیکن یہ معنی عربی محاورے کے مطابق نہیں ہیں۔ محاورہ عرب کی رو سے اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے درمیان تمیز پیدا کر دیں گے۔ یا ان کو ایک دوسرے سے ممیّز کر دیں گے، اس معنی کو ادا کرنے کے لئے ہم نے یہ طرز بیان اختیار کیا ہے کہ ''ان کے درمیان سے اجنبیت کا پردہ ہٹا دیں گے''۔ یعنی مشرکین اور ان کے معبود آمنے سامنے کھڑے ہوں گے اور دونوں گروہوں کی امتیازی حیثیت ایک دوسرے پر واضح ہوگی۔(تفہیم القرآن)

عربی محاورے کے حوالے سے یہاں جو بات کہی گئی ہے وہ درست نہیں ہے، فزیلنا بینھم کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین اور ان کے معبود الگ الگ کر دئے جائیں گے، یہ تو ممکن ہے کہ وہ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوں، لیکن اجنبیت کا پردہ ہٹا دینا اس جملے کا مطلب نہیں ہے۔ یوں بھی شرک کرنے والوں کو تو پہلے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کن چیزوں کو معبود بنا رکھا ہے، ان کے لئے ان کے معبود اجنبی تو ہوتے نہیں ہیں۔ صحیح ترجمہ وہی ہے جو عام مترجمین نے کیا ہے، اور جس پر دلیل سورہ فتح والی مذکورہ بالا آیت کا ترجمہ بھی ہے۔ وہاں خود صاحب تفہیم نے الگ الگ ہو جانا ترجمہ کیا ہے۔

فزیلنا بینھم کے بعض دوسرے ترجمے یوں ہیں:

''پس فتم فتم کر دی ہم نے درمیان ان کے''(شاہ رفیع الدین)

''پھر توڑ دیں گے آپس میں ان کو''(شاہ عبدالقادر)

''تو ہم انہیں مسلمانوں سے جدا کر دیں گے''(احمد رضا خان، آیت میں نہ مسلمانوں کا ذکر ہے، اور نہ تفسیر میں اس کا کوئی محل بنتا ہے)

''تو ہم ان میں تفرقہ ڈال دیں گے''(فتح محمد جالندھری)

''پھر ہم ان (عابدین ومعبودین) کے آپس میں پھوٹ ڈالیں گے''(اشرف علی تھانوی)

افادات جلیل احسن ندویؒ (۵)

ظفر احمد الاثری، لندن، ای میل:asarizafar@hotmail.com

افادات متعلق سورہ ھود...قسط اول ... (۱)

اس سورہ میں انذار تیز ہوگیا ہے (۲)

(آیت ۱) [کتاب] جزء یا پوری کتاب، جزء کا بھی اطلاق سورتوں پر ہوتا ہے۔

[احکمت] احکام، مضبوط بنانا، جس میں کوئی شگاف نہ ہو، جس کی بنیاد مضبوط ہو۔

[احکام آیات کا مفہوم] یہ ہے کہ اللہ تعالی بدء وحی میں چھوٹی چھوٹی سورتیں نازل کرتا رہا، جو سورتیں معاد، رسالت، آخرت پر مبنی تھیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے حکیمانہ بول پر مشتمل تھیں اب انہی چیزوں کو مضبوط کیا جارہا ہے، اس قصار (۳) کو طویل کی شکل دی جارہی ہے تاکہ ہضم کرنے میں آسانی ہو، خود یہ سورہ پہلے مجملاً بات کررہی اس کے بعد تفصیل آرہی ہے۔ (۴)

[من لدن] کتاب کی صفت ہو یا متعلق ہو، حکمت۔

(آیت ۲) [ألا تعبدوا] بدل من کتاب سے۔ کتاب یہی کہتی ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، یہی اس سورہ میں بات ہورہی ہے۔

[انی لکم] میری یہ ذمہ داری ہے کہ اچھے برے کی تمیز بتلا دوں، تم کن خطرات میں گھرے ہو، جو لوگ میری باتوں پر کان دھریں گے میں انہیں جنت کی بشارت دیتا ہوں اور جو انکار کا منھ دکھلائیں گے وہ جہنم کے حقدار ہوں گے۔

(آیت ۳) [ان استغفروا] عطف [الا تعبدوا] پر۔

یہ دوسرا پہلو ہے کہ شرک سے توبہ کرو، اب تک جو تم جرم کرتے رہے ہو اس سے معافی مانگو۔ "توبوا الیہ" جب مشرکین سے کہا جاتا ہے اور "استغفروا" بھی ساتھ ہوتا ہے تو "توحید کو اپنانے" کا مفہوم ہوتا ہے، پچھلے اپنے تمام عقائد و رسوم سے معافی مانگو، تو وہ متعینہ مدت تک لطف اندوز ہونے اور زندہ

رہنے کا موقع دے گا، قومی زندگی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔یعنی مان کر دو گے تو تمہاری زندگی کی مدت میں اضافہ ہو جائے گا، اگر ایمان لے آئے تو اللہ تعالی مہلت دے گا۔ ورنہ انکار کرنے سے عذاب الٰہی آن پڑتا ہے، اس طرح قوموں کی زندگی کم ہو جاتی ہے۔

[یمتعکم][تمتع] کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں متاع حیات دیں گے اور اقتدار سے نوازیں گے۔

[ذی فضل]المستحق للفضل۔

[وان تولوا] کل من المشرکین والیہود و النصاری۔

[الی اجل مسمی] تبشیر ہے اور [عذاب یوم کبیر] تک انذار ہے۔

(آیت۴)[الی اللہ مرجعکم] اس سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے ہو، اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس لیے حیات بعد الممات کو کھڑا کرے گا۔

(آیت۵)[ألا انھم] سننے کے بجائے اعراض کر رہے ہیں، یہ اس ضمن میں آ رہا ہے کہ محاسبہ ضرور ہو گا اور پورے علم کے ساتھ جزا دے گا۔ قادر ہے، پورا علم رکھتا ہے، اس لیے اس سے بچ کر کوئی نہیں جا سکتا، جس طرح تم لوگ اپنے اوپر کپڑا ڈال کر سنتے ہو جو مذاق کا بہت ہی اونچا طریقہ ہے، اس سے بھی واقف ہے اور سر وعلن سے واقف ہے۔

ان کا یہ طرز عمل بتاتا ہے کہ وہ ان سے کبھی نہیں پوچھا جائے گا اور وہ خدا کی نگاہ سے غائب ہیں حالانکہ ایسی بات نہیں ہے، اس کے پاس علم محیط ہے اس لیے وہ حساب کرے گا۔

(آیت۶)اس آیت میں یہ بات بتلائی جا رہی ہے کہ وہ خدا جو پوری کائنات کی مخلوق کے لیے رزق فراہم کرتا ہو تو اس خدا سے تم کیسے اور کیونکر بچ کر جا سکتے ہو۔

[مستقر] وہ جگہ جہاں انسان رہتا ہے اور بستا ہے۔

[مستودع] مرنے کے بعد زمین کے حصے میں دفن ہو جاتا ہے۔ وہ تمہارے بارے میں جانتا ہے تم کہاں ہو اور کہاں دفن کیے جاؤ گے، اس لیے وہ اپنی قدرت سے تمہارا حساب لے گا، اور قیامت کے دن تمہیں لا کھڑا کرے گا۔

[کل فی کتاب] علم محیط کے لیے آیا ہے، کل من اعمالکم وصغرکم۔ یہ ہر بات کو کھول کھول کر بیان کرنے والی ہے۔

[علی اللہ]اس کے لیے ضروری ہے کہ قدرت اور علم ثابت ہو تو یہ دونوں چیزیں ثابت کر دی

گئیں، اس سے شرک کی بھی تردید ہوئی۔ جب اس کے پاس علم محیط ہے تو اس طرح کوئی بھی گھپلے میں نہیں ڈال سکتا۔

(آیت ۷) اس سے بھی معاد ثابت ہوتا ہے اور اس کا اقتدار بیان کرنا ہے۔ کہنا یہ ہے کہ دنیا کی ساری چیزیں پانی سے بنی ہیں اور تم بھی پانی سے بنے ہو، ایسا صرف اس لیے کہ تمہیں آزمایا جائے۔ اور ابتلاء دلیل ہے کہ قیامت آئے، جس میں تمہارے ابتلاء کے اعتبار سے بدلہ دیا جائے۔

[و لئن] اگر حیات بعد الممات کی خبر دیتے ہیں تو اسے سحر کہتے ہیں۔

(آیت ۸) انکار کرنے کی وجہ سے انذار ہو رہا ہے کہ عذاب نہ آجائے لیکن اس کے رُکے رہنے کی وجہ سے اعتراض کر رہے ہیں کہ آخر عذاب الٰہی کیوں نہیں آجاتا جبکہ ہم پورے زور شور سے اس کی مخالفت کر رہے ہیں، تو اس کے جواب میں یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ امہال کا دور چل رہا ہے، اس لیے عذاب رُکا ہوا ہے، اس کے آجانے کے بعد روکا نہیں جا سکتا بلکہ ان پر نافذ کر دیا جائے گا اور وہ اپنے اعمال کی پاداش میں ہلاک کر دیے جائیں گے۔

[امة معدودة] متعین وقت۔

(آیت ۹) ان کے اعراض کی تصویر ہے اور اسی اعراض میں توحید ہے، پر وہ اسے دبا دیتے ہیں۔

[ذهب السيئات] پھر یہ کہنے لگتے ہیں کہ اب وہ دور پلٹ کر نہیں آئے گا۔ [لفرح فخور] جو شخص نعمت پا کر اتراتا ہے، دوسروں کے مقابلے میں اپنے کو بڑا سمجھتا ہے، اور دوسرے کو گھٹیا سمجھتا ہے۔

(آیت ۱۱) ان کے مال و دولت میں اضافہ ہو رہا ہے، اس لیے صبر کی تلقین کی جا رہی ہے۔ [آمنوا] اس لیے نہیں کہا گیا ہے کہ حالت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنا توازن برقرار رکھیں، اس لیے صبر کرنے کی تلقین کی گئی اور پورا کلام آخرت کی طرف جا رہا ہے اس لیے آخرت بھی زیر بحث ہے، اسی لیے ان کے لیے مغفرت ہے، یعنی وہ جہنم سے بچا لیے جائیں گے اور جنت میں داخل کیے جائیں گے۔

(آیت ۱۲) مخالفت زور شور سے ہو رہی ہے اس لیے خصوصیت کے ساتھ انذار کیا جا رہا ہے، ہوتا یہ ہے کہ دعوت کے تمام مراحل بند ہیں۔ سننے کے لیے کوئی تیار نہیں، سب نے اپنے کان بند کر لیے ہیں، ایسے وقت میں دعوت کا کام کرنے میں بڑی زحمت ہوتی ہے اور سنانے کا یہ وقت نہیں ہوتا ہے اور ایسے وقت میں انذار کرنے کا وقت ہوتا ہے، بالکل یہی بات سورہ کہف میں آچکی ہے کہ "لعلك باخع نفسك"۔

[بعض ما یوحی] انذار کی آیتیں، وہ مان نہیں رہے ہیں اور سن نہیں رہے ہیں اس لیے ان کو ابھارا جارہا ہے کہ آپ تو نبی منذر ہیں، مخالفت تو گھٹتی اور بڑھتی ہے اسے آپ کیوں دیکھتے ہیں اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

نذیر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شرک غلط ہے، اس کا انجام بہت برا ہے یعنی توحید کے منفی پہلو کو بتلانا ہوتا ہے، اور حال یہ ہے کہ اسے ماننے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے، اگر دروازے بند ہیں تو اسے کھولنے کی کوشش کرو اور غم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

حواشی و تعلیقات:

(۱) مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں: اس سورے کے مضمون پر غور کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ اسی دور میں نازل ہوئی جس میں سورہ ''یونس'' نازل ہوئی تھی۔ بعید نہیں کہ یہ اس کے ساتھ متصلاً ہی نازل ہوئی ہو، کیونکہ موضوع تقریر وہی ہے، مگر تنبیہ کا انداز اس سے زیادہ سخت ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے نبی ﷺ سے عرض کیا ''میں دیکھتا ہوں کہ آپ بوڑھے ہوتے جارہے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے''؟

جواب میں حضور نے فرمایا: '' شیبتنی هود وأخواتها''، ''مجھ کو سورہ ہود اور اس کی ہم مضمون سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے''۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کے لیے وہ زمانہ کیسا سخت ہوگا جبکہ ایک طرف کفار قریش اپنے تمام ہتھیاروں سے اس دعوت حق کو کچل دینے کی کوشش کر رہے تھے اور دوسری طرف اللہ تعالی کی طرف سے یہ پے در پے تنبیہات نازل ہو رہی تھیں۔ ان حالات میں آپ کو ہر وقت یہ اندیشہ گھلائے دیتا ہوگا کہ کہیں اللہ کی دی ہوئی مہلت ختم نہ ہوجائے اور وہ آخری ساعت نہ آجائے جبکہ اللہ تعالی کسی قوم کو عذاب میں پکڑ لینے کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ فی الواقع اس سورے کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ایک سیلاب کا بند ٹوٹنے کو ہے اور اس غافل آبادی کا، جو اس سیلاب کی زد میں آنے والی ہے، آخری تنبیہ کی جارہی ہے۔ (تفہیم القرآن: ۳۲۰/۲) نوٹ: '' شیبتنی هود وأخواتها''، کا ایک دوسرا مفہوم اگلے صفحات میں آئے گا۔

(۲) امام فراہیؒ لکھتے ہیں: ''یہ سورہ نبی ﷺ کے لیے صبر کی سورہ ہے اور تثبیت قلب کی سورہ ہے۔ (وہ آیتیں یہ ہیں: ۱۲، ۴۹، ۱۲۰، ۱۲۳) اور اہل مکہ کے لیے اس میں انذار ہے۔ (آیت ۱۰۰) کے بعد تمہیں معلوم ہوگا کہ کلام کا رخ یہ ہے کہ اہل مکہ کو ڈرانا ہے، اور مسلمانوں کے لیے اہل مکہ کے مقابلہ

میں فتح ونصرت کا وعدہ ہےاور دیکھوسورہ یوسف میں آیت (۱۰۹) ترجمہ’’ہم نے تم سے پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر (سیاحت) نہیں کی کہ دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیا ہوا، اور متقیوں کے لیے آخرت کا گھر بہت اچھا ہے۔کیا تم نہیں سمجھتے؟ (جالندھریؒ)) اس طرح یہ سورہ بھی ہے (آیت۱۰۰) ترجمہ: ’’یہ (پرانی) بستیوں کے تھوڑے سے حالات ہیں جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں۔ان میں سے بعض تو باقی ہیں اور بعض کا تہس نہس ہو گیا۔‘‘مزید لکھتے ہیں کہ’’سورہ ہود کا عمود بستیوں والوں اور اہل تمدن کے لیے انذار ہے، جب شرک کے مرتکب ہوتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور متقیوں کے لیے بشارت ہے۔دیکھو آیت (۱۰۰) کو اور اس کے بعد کی آیتوں کو۔ان آیتوں میں اس بات کی وضاحت ہے کہ اللہ کی حکمت کی وجہ سے اشرار کو مہلت اور غلبہ حاصل ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو آزماتا ہے، اور اس کے لیے مہلت اور آخری فیصلہ کے آنے میں تاخیر ضروری ہو جاتی ہے۔اگر اس میں جلدی کر دی گئی تو اللہ تعالیٰ کی حکمت معدوم ہو جائے گی اور یہ کہ بہترین انجام ان کے لیے ہے جو صبر کرنے والے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔(تعلیقات فی تفسیر القرآن۔ الجزءالاول۔الامام عبدالحمید الفراہیؒ)

(۳) مولاناؒ کی مراد قصار سے مکی سورتیں ہوں گی اور یہ سب کو معلوم ہے کہ قرآن کی تقسیم چار حصوں میں کی جاتی ہے:

۱۔سبع طوال ۲۔المئین ۳۔المثانی ۴۔المفصل اور یہ تقسیم احادیث سے ثابت ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: توریت کے بدلے سبع (طوال) والی سورتیں ملیں، زبور کے بدلے (مئین) سوسو آیتوں والی سورتیں ملیں اور انجیل کے بدلے مثانی والی سورتیں ملیں، اور مفصل سورتوں سے مجھے فضیلت ملی۔(حدیث حسن رواہ الطبرانی)

۱۔سبع طوال سے مراد، سورہ بقرہ، آل عمران، النساء، مائدہ، انعام، اعراف، انفال اور توبہ شامل ہیں۔

۲۔مئین سے مراد، وہ سورتیں جن میں سو یا سو کے قریب آیتیں ہیں یا اس اس زیادہ۔اور یہ سبع طوال کے بعد آتی ہیں۔اور وہ سورتیں یہ ہیں: سورہ یونس، سورہ ہود، سورہ یوسف، سورہ رعد، سورہ ابراہیم، سورہ حجر، سورہ نحل، سورہ اسراء، سورہ کہف، سورہ مریم، سورہ طہٰ، سورہ انبیاء، سورہ حج، سورہ

موٴمون، سورہ نور، سورہ فرقان، سورہ شعراء، سورہ نمل، سورہ قصص، سورہ عنکبوت۔

۳۔ اور مثانی سے مراد وہ سورتیں ہیں جو مئین سورتوں کے بعد آئی ہیں۔ قرآن کو مثانی اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن کی خبریں اور قصے بار بار دہرائے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات منقول ہے کہ مثانی سورتوں میں طوال اور مئین کے مقابلے میں زیادہ تکرار مضامین ہے۔

سبع طوال کو سبع مثانی بھی کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا قول ہے سورہ فاتحہ کی فضیلت کے بارے میں کہ "یہ سبع مثانی ہے اور پورا قرآن مجید" اور ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ ام القرآن سبع مثانی ہے اور قرآن عظیم" اور سورہ فاتحہ کو اس لیے مثانی کہا جاتا ہے کہ نماز کی رکعتوں میں چاہے فرض ہو یا نفل بار بار دوہرائی جاتی ہے۔ اور مثانی کا اطلاق پورے قرآن پر ہوتا ہے۔ [كتابا متشابها مثانيا]

جیسا کہ مولانا صدالدین اصلاحیؒ لکھتے ہیں "قرآن کریم کے اندر مباحث اور مضامین کی بکثرت تکرار ہے۔ کتنے ہی احکام و ہدایات، وعیدیں اور بشارتیں، تنبیہیں اور نصیحتیں، دلائل و شواہد اور تاریخی واقعات ایسے ہیں جو جگہ جگہ مذکور ہیں جیسا کہ اس نے اپنے بارے میں خود کہا ہے: كتابا متشابها مثاني (سورۃ زمر)" "ایک ایسی کتاب جس کے مضامین آپس میں ملتے جلتے اور بار بار دوہرائے ہوئے ہیں"۔

اس کی حکمت اور اس تکرار مضامین کے فلسفہ پر گفتگو کرتے ہیں: "بظاہر یہ کوئی پسندیدہ بات نہیں، اور ایک ناواقف انسان کے ذوق پر مضامین کی یہ تکرار بڑی گراں گزرے گی، لیکن قرآن حکیم کے طریق نزول اور مقصد نزول دونوں ہی امور کا قطعی تقاضا تھا کہ یہ مضامین اسی طرح بار بار دہرائے جاتے"۔

پھر طریق نزول کے تقاضے پر اس طرح بصیرت افروز گفتگو کرتے ہیں، اس سے واضح طور پر تفسیر کے اصول پر روشنی پڑتی ہے اور اس سے قرآن کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ "طریق نزول کا تقاضا اس لیے تھا کہ قرآن مجید جب ایک عملی اور ارتقائی دعوت کے ساتھ ساتھ نازل ہو رہا تھا۔۔۔ تو ضروری تھا کہ دعوت اس وقت تک جس مرحلے میں تھی اس وقت تک صرف وہی ہدایتیں ارشاد فرمائی جاتیں جو اس مرحلے سے منابت رکھتی تھیں، اور دوسرے مراحل کی باتیں بالکل نہ چھیڑی جاتیں، بلکہ اسی مرحلے کی باتوں کا حسب ضرورت اعادہ ہوتا رہتا خواہ اس میں کتنی ہی مدت کیوں نہ گزر جاتی۔

مقصد نزول کا تقاضا اس لیے تھا کہ کوئی بھی دعوت اسی وقت کامیاب ثابت ہوسکتی ہے جب اس کے پیرووں کے دل و دماغ میں اس کی بنیادیں پوری مضبوطی سے جم گئی ہوں، اور پھر ان کی برابر نگہداشت بھی ہوتی رہے، ورنہ قیاس اور تجربہ، دونوں کا فیصلہ ہے کہ دعوت اپنی منزل مقصود کو ہرگز نہیں

پہنچ سکتی۔ اس لیے دعوت قرآنی کے مقاصد کی تکمیل بھی مطالبہ کرتی تھی کہ اس کی بنیادی تعلیمات کو پہلے دن سے آخری وقت تک کسی موقع پر اور کسی حال میں بھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے، اور دعوت کے ہر مرحلے میں ان کا بار بار اعادہ ہوتا اور ان کی مسلسل تلقین و تذکیر ہوتی رہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ قرآن مجید کے اندر دوسرے مضامین کی تکرار تو کسی خاص مرحلے ہی تک محدود ہے، لیکن توحید، آخرت، جزا وسزا، رسالت، طاعت و بندگی، بر وتقوی، صبر وشکر وانابت، نماز وانفاق اور صلہ رحمی وغیرہ امور کے تذکروں سے قرآن کا کوئی صفحہ خالی نہیں، اور ان کی تلقینات اس کے اندر ہر سمت اس طرح پھیلی ہوئی ہیں جس طرح جسم انسانی میں رگیں پھیلی ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ دین کی بنیادیں تھیں، اور انہی کی مضبوطی پر پورے دین کی مضبوطی موقوف تھی۔ لیکن "تکرار" کے لفظ سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ایک ہی بات کو، لفظاً و معناً جوں کا توں جگہ جگہ دوہرا دیا گیا ہے، نہیں ایسا بالکل نہیں ہے، قرآن حکیم میں اس کے باوجود کہ ایک ہی حکم، ایک ہی قصے اور ایک ہی استدلال کو دسیوں بیسیوں مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔۔ تکرار محض کہیں بھی ہے۔ کیونکہ وہ ہر مقام پر تذکیر و تفہیم کا کوئی نہ کوئی نیا پہلو پیدا کرتا ہے۔ مثلاً ایک ہی قصے کو اجمال و تفصیل کی مختلف حدوں میں بیان کرتا ہے۔

واقعات کی ترتیب اور بیان کے طرز میں تنوع پیدا کر دیتا ہے الفاظ کو بدل دیتا ہے قصے کے مختلف اجزاء میں سے کسی کو حذف کر دیتا ہے۔ ان باتوں سے جہاں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ایک ہی بات کو ایک ہی عبارت اور ایک ہی اسلوب میں سنتے سنتے طبیعتوں میں ناگواری محسوس نہیں ہوتی، جی اُکتا اور کان تھک نہیں جاتے، وہاں اس سے فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ تذکیر یا استدلال کے پہلو بدل جاتے ہیں اور حکمت الٰہی کے کچھ نئے گوشے نمایاں ہو جاتے ہیں۔ جس سے سننے سمجھنے والوں پر ہر بار ایک نیا اثر مرتب ہوتا ہے۔ اس طرح قصوں کی یہ تکرار، تکرار بھی ہے اور نہیں بھی۔ اسی پر احکام کی تکرار، دلائل کی تکرار، نصائح کی تکرار اور دوسرے مضامین کی تکرار کو بھی قیاس کر لیجیے۔ یہاں صرف یہی نہیں ہے کہ ایک ایک مضمون کو سوسو رنگ سے باندھا گیا ہے، بلکہ ان میں سوسو حکمتیں اور دعوتی افادیتیں بھی سمو دی گئی ہیں۔ اب جو شخص بھی ان مصالح کی اہمیت کا جائزہ لے گا جو قرآن کے اندر تکرار مضامین کا موجب بنے ہیں، اور پھر اس تکرار کی نوعیت کو بھی سمجھ لے گا، یقین ہے کہ اس کے لیے کسی اعتراض یا احساس ناگواری کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہ جائے گا، اور وہ اس تکرار بیان کو قرآن کے محاسن کمال میں شمار کرے گا، جیسا کہ خود اس نے کیا ہے اور اسے اس کی دعوت کے لیے ناگزیر باور کرے گا، جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے۔ (قرآن کا

تعارف،ص:۹۷۔۹۹)

۴۔المفصل: اس کی تقسیم اور تعریف: مفصل اس لیے کہتے ہیں کہ سورتوں میں بسم اللہ کے ذریعہ فاصلے ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان میں منسوخ آیتیں کم ہیں۔اور کثرت فواصل کی وجہ سے بھی انہیں محکم بھی کہا جاتا ہے۔ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبیﷺ کے عہد میں محکم جمع کیا تھا تو سعید بن جبیرؒ پوچھتے ہیں محکم کیا ہے،ابن عباسؓ نے فرمایا: المفصل۔صحیح بات یہ ہے کہ مفصل نام بسم اللہ کی وجہ سے پڑا ہے۔یہی رائے ابن حجرؒ کی ہے اور یہ نام متعدد صحابہ سے مروی ہے۔ایک شخص ابن مسعود کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ آج رات ایک رکعت میں، میں نے مفصل پڑھی ہے۔ایک اور حدیث حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔کہتے ہیں کہ معاذ بن جبل، نبیﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے پھر یہاں سے لوٹ کر اپنی قوم کی امامت کرتے تھے۔انھوں نے عشاء کی نماز پڑھائی اور اس میں سورہ بقرہ کی تلاوت کی۔یہ صورت حال دیکھ کر ایک شخص نے نماز توڑ دی اور الگ سے نماز پڑھی، معاذ بن جبل کو برا لگا اور یہ بات نبیﷺ تک پہنچی تو آپ نے معاذ بن جبل سے تین مرتبہ کہا کہ تم لوگوں کو بہت زیادہ آزمائش میں ڈالنے والے ہو اور انہیں حکم دیا کہ تم ''اوساط مفصل'' میں سے دو سورتیں پڑھا کرو۔(بخاری و مسلم)

حدیث میں مفصل کی تقسیم اس طرح ملتی ہے: وہ یہ ہے کہ مدینہ کے امیر عمرو بن سلمہؓ نے مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھائی اور عشاء میں وسط المفصل پڑھائی اور صبح میں طوال المفصل پڑھائی۔(سبل السلام جلد اول ابتداء المفصل من القرآن والخلاف فیہ)

اور اس تقسیم کی تعیین میں (یعنی قصار مفصل، وسط المفصل اور طوال مفصل کے بارے میں) فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

۱۔احناف کے یہاں طوال مفصل: سورہ حجرات سے سورہ بروج تک ہے۔
۲۔اوسط قصار: سورہ بروج سے ''لم یکن الذین'' تک ہے۔
۳۔ قصار مفصل: لم یکن سے آخر قرآن تک ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں:

۱۔طوال مفصل: سورہ حجرات سے نازعات تک ہے۔
۲۔اوسط مفصل: سورہ عبس سے سورہ ضحیٰ تک ہے۔
۳۔اور قصار: ضحیٰ سے آخر قرآن تک ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں:
ا۔طوال مفصل میں اس طرح کی سورتیں ہیں: حجرات ،اقتربت ،الرحمٰن۔
۲۔اوساط مفصل میں: شمس،ضحیٰ ،واللیل داخل ہیں۔
۳۔قصار المفصل میں سورہ عصر اور قل ھواللہ جیسی سورتیں ہیں۔
حنابلہ کے یہاں:
ا۔طوال المفصل سورہ ق سے عم تک۔
۲۔اوساط مفصل سورہ عم سے ضحیٰ تک۔
۳۔قصار مفصل ضحیٰ سے آخر قرآن تک۔
(۴) [طوال مفصل،اوساط مفصل اور قصار مفصل سورتوں کی حکمتیں]

ذہنوں میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورتوں کی مقدار اس طرح کیوں ہے،کوئی چھوٹی ہے کوئی بڑی ہے،اور کوئی بہت مختصر ہے،اس کی حکمت اور مصلحت دین میں کیا ہے؟

اس کی حکمت و مصلحت پر مولانا صدالدین اصلاحیؒ اپنی کتاب ''قرآن مجید کا تعارف'' میں لکھتے ہیں:'' سورتوں کی مقدار میں باہم بڑا تفاوت ہے۔اگر کوئی سورۃ اتنی لمبی ہے کہ پورے قرآن کے بارہویں تیرہویں حصے تک پھیلی ہوئی ہے،تو کوئی اتنی چھوٹی بھی ہے کہ اس میں دو تین مختصر جملوں اور چودہ پندرہ لفظوں سے زیادہ نہیں۔مگر چھوٹی سورتوں کے قالب کی چھوٹائی ہرگز یہ معنی نہیں رکھتی کہ ان کا مغز اور جوہر بھی چھوٹا ہے۔صورت واقعہ جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ بڑی سورتوں میں تجلیات حق کی جو کرنیں ایک وسیع دائرے تک پھیلی ہوئی ہیں،وہی چھوٹی سورتوں میں ایک چھوٹے حلقے کے اندر سمٹ گئی ہیں۔دراصل ان سورتوں کی حیثیت 'جوامع الکلم' کی سی ہے۔اور متعدد دینی مصلحتوں کا تقاضا یہی تھا کہ قرآن حکیم کے اندر ایک تعداد چھوٹی سورتوں کی بھی ہو۔

سب سے اہم مصلحت تو دین کی اصولی تعلیمات اور اس کے بنیادی افکار کو ذہنوں میں ہمیشہ مستحضر رکھنے کی تھی جو ظاہر ہے کہ بہت بڑی دینی ضرورت تھی بلاشبہہ لمبی سورتوں میں نہ صرف یہ کہ تعلیمات موجود ہیں بلکہ پوری وضاحت اور ضروری استدلال کے ساتھ موجود ہیں اس لیے انہیں یاد رکھنے والا ان تعلیمات اور افکار کو اپنے ذہن میں برابر تازہ رکھ سکتا ہے،لیکن عملی اور واقعاتی حیثیت سے دیکھئے تو ایسے لوگ چند فی صد سے زیادہ ہرگز نہ مل سکیں گے جو لمبی سورتوں کے یاد کر لینے اور پھر انہیں برابر یاد رکھنے

والے ہوں، اس لیے عام مسلمانوں کے پیش نظر ضروری تھا کہ چھوٹی چھوٹی سورتیں بھی نازل کردی جائیں، جن میں دین کی بنیادی ہدایتوں کو اختصار کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہو، تاکہ اسلامی معاشرے کا کوئی ایک فرد بھی انہیں یاد کر لینے اور (کم از کم نمازوں میں تو لازماً) بار بار دہراتے رہنے، اور اس طرح دین کی بنیادی باتوں کو اپنے ذہن میں پیہم تازہ کرتے رہنے کی سعادت سے محروم نہ رہ سکے، پھر اگر غور کیجیے، تو وہ چند فیصد بھی، جو لمبی سورتوں کو یاد رکھنے والے ہوتے ہیں اس ضرورت سے بے نیاز نہ ملیں گے کیونکہ انسانی ذہن کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اگر تفصیلات کو وہ اپنے لیے تشفی کا باعث پاتا ہے تو ساتھ ہی ان کی دور دراز وسعتوں میں اکثر کھو بھی جاتا ہے اور معانی ومطالب کے پورے سلسلے کو اپنی گرفت میں نہیں لے پاتا، بلکہ اس کے لیے اس بات کا ضرورت مند ہوتا ہے کہ یہ مطالب کچھ مختصر لفظوں میں بھی ادا کر کے اسے محفوظ کرا دیئے جائیں۔ غرض عوام وخواص، سبھی کے لیے اس امر کی ضرورت تھی کہ دین کی اصولی تعلیمات چند لفظوں میں اور چھوٹی چھوٹی سورتوں کی شکل میں بھی بیان کر دی جائیں تاکہ وہ ذہنوں پر نقش ہو رہیں، زبانیں ان کے ذکر سے خود بخود حرکت میں آجایا کریں، اور وہ اسلامی معاشرے میں ان ضرب المثلوں کی جگہ لے لیں جو عام طور ہر دین وپیروان دین کی ایک ایسی ضرورت تھی جو وقتی نہ تھی بلکہ ابدی تھی۔

دوسری خاص مصلحت ابتدائے بعثت میں دعوت قرآنی کی طرف لوگوں کو متوجہ کرا سکنے کی تھی،، کیونکہ جس وقت قرآن نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تھا، اس وقت اس کے سننے کے لیے قدرتی طور پر لوگوں کے اندر کوئی آمادگی نہ تھی۔ اس صورت حال کا کھلا ہوا تقاضا یہ تھا کہ ان دنوں جو باتیں فرمائی جاتیں وہ ایک طرف تو بہترین پیرایہ بیان اور جھنجوڑ دینے والے انداز میں ہوتیں، دوسری طرف اصولی اور مختصر بھی ہوتیں، تاکہ غفلت اور نفرت کے مارے ہوئے دلوں تک بھی ان کے الفاظ جا پہنچیں۔ پھر جوں جوں یہ بے توجہی اور نا آمادگی کم ہوتی جائے اور لوگ بات سننے کے لیے تیار ہوتے جائیں، خواہ یہ تیاری کسی بنا پر ہو، دعوتی خطاب میں وسعت پیدا کی جاتی رہے، اور جب وہ گھڑی آجائے کہ بے توجہی اور نا آمادگی شوق اور انابت میں تبدیل ہو چکی ہو تو دین کی تفصیلات سنائی جائیں اور وحی الٰہی کا نزول پیہم ہونے لگے۔۔۔ چنانچہ قرآن مجید کی چھوٹی، متوسط، اور بڑی سورتیں بالعموم حالات کے انہی تقاضوں کے تحت نازل ہوئی ہیں، اور چھوٹی سورتیں بالعموم اکثر اسی دور کی نازل شدہ ہیں جب دعوت قرآنی اپنے ابتدائی مراحل میں تھیں اور دلوں کے دروازے بھی اس کے لیے کھلے نہیں تھے۔ (قرآن مجید کا تعارف، ص:۱۰۴-۱۰۵)

محبت رسولؐ کے بعض وسائل

سراج احمدبرکت اللہ فلاحی ،

مدیرمعاون سہ ماہی پیغام، نیپال

سراج احمد برکت اللہ فلاحی صاحب کا یہ مضمون حیات نو کے ''محسن انسانیت نمبر''کے لیے حاصل کیا گیا تھا، تاہم صفحات کی قلت اور بعض دیگر تکنیکی مسائل کی وجہ سے یہ شامل اشاعت نہیں کیا جاسکا، مضمون کی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر اس شمارے میں اسے شائع کیا جارہا ہے.... ادارہ

موجودہ وقت میں عام مسلمان جو کتاب وسنت سے دور ہیں۔اپنی عملی زندگی میں اسلامی تعلیمات کا پاس ولحاظ نہیں کرتے ہیں۔اللہ کی پسند وناپسند اور رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ان کے سامنے پیش کیا جائے تو اس پر عمل کرنے کے لیے پوری طرح آمادہ نہیں ہوتے ہیں،اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ان کے اندر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت نہیں رہی یا ان کے دلوں میں موجود محبت رسول ﷺ اس درجہ قوی نہیں ہے کہ ان کو مکمل دین اسلام کا پابند بنا سکے۔دین کی نشر واشاعت،دعوت وتبلیغ،اقامت دین اور غلبہ اسلام کے لیے وہ اپنی جان ومال قربان کرسکیں۔آج ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں محبت رسول ﷺ کا جذبہ زیادہ سے زیادہ پیدا کیا جائے۔اسی تناظر میں ذیل کی تحریر پیش خدمت ہے۔اہل ایمان کے دلوں میں محبت رسول ﷺ کا جذبہ پیدا کرنے،اسے زیادہ سے زیادہ بڑھانے،قوی اور مؤثر بنانے کے لیے درجہ ذیل وسائل کو اختیار کیا جاسکتا ہے:

ا۔ محبت رسول ﷺ کی اہمیت وضرورت :

اہل ایمان کے سامنے بار بار اس حقیقت کو بیان کیا جائے کہ محبت رسول ﷺ ہمارے ایمان کا

لازمی حصہ ہے۔اس کے بغیر ہمارا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔محبت رسول ﷺ ہمارے ایمان کی ایک بڑی علامت ہے۔حدیث رسول ﷺ ہے: عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :" لَایُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ "۔ (مسلم کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ رسول اللہ ﷺ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے باپ، اپنی اولاد اور سارے لوگوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ کرنے لگے۔

نبی اکرم ﷺ سے محبت کرنا اس لیے واجب کر دیا گیا ہے کہ اس کے بغیر آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ نبی ﷺ سے محبت نہ ہو تو ان کے نقش قدم کی پیروی آخر کیسے ممکن ہوسکتی ہے؟ یہ محبت نبی ﷺ کے مقام ومرتبہ کی وجہ سے بھی ہے۔آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں اور ہم ان کے امتی ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ نبی ﷺ کی ذات ہماری اپنی جان سے زیادہ عزیز ہونی چاہیے۔سورہ احزاب میں ہے:النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (الاحزاب:٦)''نبی (ﷺ) کی ذات اہل ایمان کے لیےان کی جانوں سے بھی مقدم ہے۔

نبی ﷺ سے محبت دنیا کی ساری چیزوں، تمام محبتوں اور جملہ علائق سے بڑھ کر ہونی چاہیے اور مطلوب یہ ہے کہ پوری خوشی اور دل کی آمادگی کے ساتھ یہ محبت کی جائے اور کیفیت یہ ہو کہ اتباع رسول ﷺ میں آدمی کو خوشی محسوس ہو اور مزہ آئے۔یہی ایمان کی حقیقی لذت ہے۔حدیث میں ہے:''ایمان کا مزہ اس آدمی نے چکھا جو اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہوا''۔(مسلم، کتاب الایمان)

۲۔ تعلق باللہ:

ظاہر ہے کہ رسول ﷺ سے محبت اسی لیے کی جاتی ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔اللہ نے حضرت محمد ﷺ کو اپنا آخری رسول منتخب فرمایا اور آپ ﷺ کو اپنا محبوب قرار دیا۔اللہ ہی ہمارا خالق ومالک ہے۔ہمارا دین اسلام اسی کا پسندیدہ اور نازل کردہ دین ہے۔ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس سے محبت کرتے ہیں۔ہمارے لیے لازم ہے کہ اللہ سے ہمارا رشتہ مضبوط ہو۔اس کے احکام پر عمل آوری کے ذریعہ اور اس کے دین کی اشاعت واقامت کرکے، اس کے نبی ﷺ کی سنت اور شریعت کو نافذ کرکے، تلاوت

قرآن مجید، نماز، روزے اور دیگر عبادات بالخصوص دعاؤں کے ذریعہ اللہ سے تعلق مضبوط کیا جائے۔ جب اللہ سے تعلق ہوگا تو اس کے محبوب ﷺ کے لیے دل میں خود ہی محبت پیدا ہو جائے گی۔ اللہ کی محبت کے لیے ضروری ہے کہ رسول ﷺ کی اتباع کی جائے اور رسول ﷺ کی اتباع کے لیے ضروری ہے کہ رسول ﷺ سے محبت کی جائے۔ غرض یہ کہ تعلق باللہ بھی محبت رسول ﷺ کا ایک ذریعہ ہے اور اس سے محبت رسول ﷺ میں اضافہ ہوتا ہے۔

۳۔خصائص نبوی کا علم:

قرآن وحدیث میں نبی اکرم ﷺ کے بہت سے خصائص اور امتیازی خوبیوں کا بیان ہے، امت کے سامنے اسے بیان کیا جائے۔ جب لوگوں کو آپ ﷺ کے خصائص کا علم ہوگا تو خود ہی نبی کی عظمت اور قدر ومنزلت کا احساس ان کے اندر بیدار ہوگا۔ اس سے ان کے دلوں میں نبی ﷺ کے لیے محبت اور احترام کا جذبہ پیدا ہوگا۔ انسانی فطرت یہ ہے کہ آدمی جب کسی دوسرے سے محبت کرتا ہے تو کسی صفت کی وجہ سے کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ فلاں کے اندر یہ اور یہ خوبی ہے اور پھر اس سے وہ محبت کرنے لگتا ہے۔ جب رسول اکرم ﷺ کے خصائص سے عوام الناس کو واقف کرایا جائے گا تو ان کے اندر خود بخود محبت رسول ﷺ کا جذبہ پیدا ہوگا، پروان چڑھے گا اور وہ دین پر عمل کرنے کو تیار ہوں گے۔ محدثین نے کتب احادیث میں آپ ﷺ کے خصائص کو جمع کر دیا ہے۔ بالخصوص سیرت نگاروں نے خصائص نبوی ﷺ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اپنی مشہور کتاب رحمۃ للعالمین جلد سوم صفحہ ۱۳ تا ۲۴۰ رمیں بہت تفصیل سے خصائص نبوی پر روشنی ڈالی ہے۔ ۵۰ر سے زائد خصوصیات نبوی، متعدد معجزات اور نبی ﷺ کے ہاتھوں صادر ہونے والے بعض حیرت انگیز واقعات کا بخوبی تذکرہ کیا ہے۔ اس کا تفصیل سے مطالعہ کیا جائے اور عوام الناس کے سامنے اچھے اور مرتب انداز سے پیش کیا جائے تو کافی مفید اور بہت مؤثر ہوگا۔ آپ ﷺ بہت سی خوبیوں اور خصائص کے مالک ہیں اور آپ ﷺ افضل الخلائق ہیں۔ دیگر انبیاء علیہم السلام جو اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں ان کے مقابلہ میں بھی آپ ﷺ کو بعض چیزوں میں فضیلت حاصل ہے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے:

۱۔ مجھے جوامع الکلم دیے گئے۔

۲۔ دشمن پر رعب ڈال کر میری مدد کی گئی۔

۳۔میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا۔
۴۔ساری زمین میرے لیے پاک اور پاکی حاصل کرنے کے لائق اور نماز ادا کرنے کے قابل بنا دی گئی ہے۔
۵۔مجھے ساری مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔
۶۔اور میری نبوت پر نبیوں کا سلسلہ تمام کر دیا گیا ہے۔(مسلم، کتاب المساجد)

۴۔ امت پر آپ ﷺ کے احسانات کا علم :

آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں ۔ امت مسلمہ ہی نہیں پوری دنیا والوں کے لیے آپ ﷺ کی تعلیمات رحمت ہی رحمت ہیں ۔کسی تفریق کے بغیر جملہ انسانیت پر آپ ﷺ کے احسانات ہیں ۔ بالخصوص اہل ایمان کے لیے آپ ﷺ کی نبوت سراپا رحمت ہی رحمت ہے۔امت محمدیہ پر آپ ﷺ کے عظیم احسانات ہیں۔اللہ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّهُ عَلَى الْمُؤمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُّبِينٍ۔ (آل عمران:۱۶۴)

''اہل ایمان پر اللہ کا عظیم احسان ہے کہ اس نے خود ان ہی کے درمیان سے ایک نبی مبعوث فرمایا۔ جو انہیں اللہ کی آیات واحکام پڑھ پڑھ کر سناتا ہے، ان کو شرک وکفر کی آلائشوں سے پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔ بلاشبہ اس سے پہلے وہ لوگ بڑی گمرہی میں بھٹک رہے تھے۔''

معلوم ہوا کہ نبوت محمدی انسانیت کے لیے ایک رحمت ہے جو دراصل رحمت الٰہی کا عظیم مظہر ہے۔ اس سے پہلے لوگ شرک وکفر میں ڈوبے ہوئے تھے۔اپنے خالق ومالک کی معرفت سے بالکل لاعلم تھے ۔ظلم وجبر، ناانصافی، قتل وخون، لوٹ کھسوٹ اور ہر طرح کی برائی عام تھی۔جس سے ان کی زندگی اجیرن بنی ہوئی تھی۔ دین کے معاملات میں وہ خود ساختہ شریعت ،جھوٹی عبادات ، غیر فطری حلال وحرام کی پابندیوں اور بے سند نذر ونیاز کے تلے دبے ہوئے تھے۔آپ ﷺ آئے اور اللہ کا دین ٹھیک ٹھیک اللہ کے بندوں تک پہنچایا۔دنیا کی ہزاروں غلامیوں سے نکال کر بندوں کو صرف ایک اللہ کی غلامی کا درس دیا۔

آپ ﷺ نے جان ومال کی قربانی دی ، دشمنان دین سے معرکہ آرائی کی اور تاحیات مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔صحابہؓ کی ایک ایسی جاں نثار جماعت تیار کی جس کے افراد دعوت وجہاد کرتے ہوئے

دنیا کے کونے کونے تک پہنچے۔ آپ ﷺ نے مدینہ اور اس کے آس پاس کے خطے میں ایک اسلامی حکومت قائم کی۔ غرض کہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی سے اللہ کے احکام کا مکمل عملی نمونہ امت کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں سماج کے ہر طبقہ کے لیے اسوۂ حسنہ موجود ہے۔ آپ ﷺ کی خاص دعا سے امت پر سے اوپر اور نیچے کا عذاب اٹھالیا گیا۔ آپ ﷺ کی دعا سے امت محمدیہ کے افراد کی مدت حیات میں برکت دی گئی کہ کم اعمال کا زیادہ ثواب طے کیا گیا۔ آپ ﷺ کی شفاعت سے روز محشر حساب و کتاب کا آغاز ہوگا۔ آپ ﷺ ہی کی شفاعت سے جملہ اہل ایمان کو عذاب جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے استطاعت سے بڑھ عبادت میں محنت اور مشقت کرنے سے لوگوں کو منع کیا۔ رمضان المبارک میں صرف تین روز نماز تراویح با جماعت ادا فرمائی تا کہ امت پر فرض نہ ہو جائے۔ امت کی سہولت کے لیے دوران سفر قصر نماز ادا کرنے اور دو نمازیں جمع کرنے کی رخصت دی، دوران سفر روزہ چھوڑنے کی رخصت عطا فرمائی۔ امت کی سہولت کے لیے آپ ﷺ نے اللہ سے قرآن مجید سات قرائتوں یا لہجوں میں پڑھنے کی اجازت حاصل کی۔ پانی نہ ملنے کی صوت میں مٹی سے وضو اور غسل کرنے کی اجازت دی، خواہ اس کی مدت کئی سال ہو۔ آپ ﷺ نے امت کی سہولت کے لیے ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم نہیں دیا۔ عشاء کی نماز شروع وقت میں ادا کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ ان تفصیلات کو امت کے سامنے بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

امت پر آپ ﷺ کے احسان کا ایک عظیم مظہر معراج کے موقع پر آپ ﷺ کی شفاعت ہے، آپ ﷺ نے بار بار اللہ سے درخواست کر کے ۴۵ رنمازیں معاف کروائیں۔ امت پر ۵۰ رکے بجائے صرف ۵ روقت کی نمازیں فرض کی گئیں۔ مسلم کی ایک حدیث میں ہے: ایک بار نبی ﷺ نے کہا: اے اللہ میری امت! اے اللہ میری امت! اور رونے لگے۔ آپ ﷺ روتے رہے اور امت کی مغفرت کے لیے دعا کرتے رہے۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا کہ پوچھو کیا سبب ہے؟ جبرئیلؑ نے جب واپس جا کر خبر دی تو اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبرئیل! محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور کہہ دو: ''ہم تمہیں تمہاری امت کے بارے میں خوش کر دیں گے اور آپ ﷺ کو ناراض نہیں کریں گے۔ (مسلم، کتاب الایمان، باب دعاء النبی ﷺ لامتہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امت کی مغفرت کے لیے آپ ﷺ کس درجہ پریشان رہا کرتے تھے اور رو رو کر امت کی مغفرت کے لیے دعائیں کرتے رہتے تھے۔ دو مستحب کاموں میں ہمیشہ آسان

کاموں کو اختیار کرنے کی سنت آپ ﷺ نے جاری کی۔ آپ ﷺ کے احسانات بہت ہیں، تفصیل کتب حدیث وسیرت میں موجود ہے۔

۵۔نبی کے اصل کارنامہ سے واقفیت:

نبی ﷺ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سب سے بگڑی قوم کو جو حیوان بن چکی تھی اس کو انسان بنایا، جو ہر وقت قتل وخون پر آمادہ رہتے تھے، ان کے اندر الفت ومحبت پیدا فرمادی۔ جو سینکڑوں دیوی دیوتاؤں کی غلامی میں بندھے ہوئے تھے ان کو ایک اللہ کا سچا عبادت گزار بنادیا۔ جو قبائلی زندگی بسر کرتے تھے، ان کو ایک منظّم ریاست کا تابع فرمان بنادیا۔ جو شتر بے مہار کی طرح زندگی گزار رہے تھے، ان کو اعلیٰ اخلاق وآداب کا پابند بنادیا۔ حلال وحرام کی تمیز سکھائی، غرض کہ ۲۳؍سال کی مختصر مدت میں لاکھوں انسانوں کے ذہن ودماغ کو بدل دیا۔ ان کے نہاں خانہ دل کی اصلاح فرمائی۔ ان کو شرک وکفر کی تمام آلائشوں سے پاک وصاف کیا، ان کو حکمت ودانائی کی تعلیم دی۔ بکریاں چرانے والوں کو بڑے بڑے ملکوں اور ریاستوں کا انتظام وانصرام سنبھالنے کے قابل بنادیا۔ آپ ﷺ نے جو تعلیم اور اخلاقی اصول بیان فرمائے اسے عملی طور پر برت کر دنیا کے سامنے دکھایا۔ آپ ﷺ نے ایک فطری، عملی اور کامیاب دین یا نظام حیات پیش کیا جو صدیوں تک دنیا کے ایک بڑے خطہ پر غالب اور نافذ رہا۔ وہ آج بھی اس قابل ہے کہ اسے دنیا میں نافذ کیا جاسکے بلکہ آج کی سسکتی اور بلکتی انسانیت اسی کی محتاج ہے اور اسی میں ساری دنیا والوں کی بھلائی مضمر ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نبوت کا کارنامہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

’’عرب میں سرتاپا روحانی واخلاقی انقلاب پیدا کردینا، تمام عالم کے سامنے کامل ترین اور اخیر شریعت پیش کرنا، دنیا کے گوشہ گوشہ کو ترانۂ توحید اور سرور ومحبت سے معمور کرنا، ظلمت کدۂ عالم کو سراج منیر بن کر بقعہ نور بنادینا، گمراہوں کو راستہ بتانا، بھولوں کو یاددلانا، بندوں کا رشتہ خدا سے جوڑنا، غلط اوہام کو مٹانا، اخلاق سکھانا، گناہوں کے دفتر کو دھونا، انسانوں کو شیطان کے دام فریب سے نکال کر فرشتوں کی صف میں کھڑا کرنا، دنیا کو رفق ومحبت، لطف وشفقت اور برادرانہ مساوات کی تعلیم دینا، حکمت ودانائی، پندوموعظت اور تہذیب وتمدن کے رموز سکھانا، روحانیت کی برباد شدہ دنیا کی دوبارہ تعمیر اور قلوب وارواح کے ویران گھروں کی ازسرنو آبادی، الغرض خاتم النبین ﷺ کا اصلی کام ایک شریعت ابدی کی تاسیس، مذاہب عالم کی اصلاح، فن اخلاق کی علمی وعملی تکمیل، قانون الٰہی کا اظہار وعرض اور تہذیب نفوس

کی معراج اخیر تھی‘‘۔(سیرۃ النبی ج ۴ص ۲تا ۳)

نبی ﷺ کی ذات کسی عبقری شخصیت یا فاتح عالم کی سی نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ دنیا کے سب سے عظیم انسان ہیں۔عظمت کا راز یہ ہے کہ ۲۳؍سال کی قلیل مدت میں علاقے اور ممالک نہیں لاکھوں انسانوں کے دلوں کو جیت لیا۔کسی جبر واکراہ کے بغیر وہ دین اسلام میں داخل ہوئے۔کسی سزا یا قانون کے خوف کے بغیر بخوشی آپ ﷺ کے پیش کردہ اصول حیات کو عملی جامہ پہنایا۔دن ورات ،خلوت وجلوت ،عام سڑک پر یا گھر کے اندر کی تفریق کے بغیر دین کی ساری تعلیمات پر عمل کیا۔حتی کہ جرم کے مرتکب ہو جانے کی صورت میں مجرم خود دربار رسول ﷺ میں حاضر ہوتا اور سزا کے نفاذ کا مطالبہ کیا کرتا تھا۔یہ ہے انسانوں کے اعمال واخلاق کی اصلاح اور ان کے دلوں کا اور ذہن ودماغ کا وہ انقلاب جس کی مثال پیش کرنے سے پوری تاریخ انسانی آج بھی قاصر ہے۔

۶۔درود وسلام کی کثرت:

درود وسلام بھی محبت رسول ﷺ کا ایک شرعی اظہار اور اس میں اضافہ کا ذریعہ ہے۔قرآن میں اللہ کا حکم ہے کہ:’’إِنَّ اللَّـهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً ‘‘(سورۃ الاحزاب:۵۶) اللہ رب العزت اور فرشتے بھی نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اس لیے حکم دیا گیا کہ اے مومنو! نبی پر خوب خوب درود بھیجو۔اس کی بڑی فضیلتیں ہیں۔ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا،اس کے دس گناہ معاف فرمائے گا،اور دس درجہ بلند فرمائے گا۔(سنن نسائی ،جزء اول،حدیث:۱۲۳۰) بکثرت درود پڑھنے سے آپ ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔درود گناہوں کی مغفرت اور تمام دنیاوی دکھوں اور مصائب وآلام سے نجات کا ذریعہ ہے۔درود بھیجنے والے پر فرشتے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔درود نہ بھیجنا موجب ہلاکت ہے، جنت سے محرومی کا باعث ہے، دعاؤں کے رد ہو جانے کا سبب ہے۔ان نصوص سے ظاہر ہے کہ درود وسلام بھیجنا محبت رسول ﷺ کی ایک علامت ہے اور اس کی کثرت محبت رسول ﷺ میں اضافہ کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔

۷۔آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ: نبی اکرم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ اہل ایمان کے لیے کئی پہلوؤں سے اہم اور مفید ہے۔اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں محبت رسول ﷺ میں اضافہ ہوگا۔مطالعہ کی صورت میں جوں جوں معلومات میں اضافہ ہوگا،آپ ﷺ کے بلند اخلاق

وکردار، آپ ﷺ کی عبادت وریاضت، توبہ واستغفار، عام انسانوں کے ساتھ عدل وانصاف کے معاملات، قاتلوں اور دشمنوں کے ساتھ عفو ودرگزر کی سنت، اہل خانہ کے ساتھ رفق ونرمی، بچوں کے ساتھ شفقت، بڑوں کا احترام، لین دین اور معاملات میں صفائی، نوکر اور خادموں کے ساتھ اچھا سلوک وغیرہ کا تذکرہ جب کتب سیرت میں مسلمان پڑھیں گے یا علماء سے سنیں گے تو ان کے دلوں میں محبت رسول ﷺ پیدا ہوگی اور وہ اس بات کے لیے آمادہ ہوں گے کہ اسوۂ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہوں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ دینی محفلوں میں درس قرآن، درس حدیث یا دینی احکام ومسائل کے بیان کے ساتھ سیرت رسول ﷺ کو بھی بالخصوص موضوعِ گفتگو بنایا جائے۔ سیرت رسول ﷺ پر جب بھی گفتگو ہو تو تطبیقی پہلو کو ہمیشہ مدنظر رکھا جائے۔ واقعات رسول ﷺ کے ساتھ اس کی عملی تطبیق اور استنباط بھی عوام کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ سیرت رسول ﷺ کی عصری معنویت سے بھی عوام واقف ہوں اور اس کے عملی تقاضے پورے کرسکیں۔

۸۔ احادیث نبوی ﷺ کا مطالعہ:

آپ ﷺ کے ذریعہ پیش کردہ شریعت اسلامی مکمل نظام حیات ہے۔ اس حقیقت کا بخوبی علم اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ احادیث نبویہ کا تفصیل سے مطالعہ نہ کیا جائے۔ احادیث کے مطالعہ سے جب ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ واقعی اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ زندگی کے جملہ شعبہ جات کے لیے اس کے اندر مکمل رہنمائی موجود ہے۔ طہارت اور نماز سے لے کر ایک مکمل اسلامی ریاست کی تمام ضروری تفصیلات احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ انسان کی پیدائش بلکہ نطفہ کے استقرار سے لے کر موت اور موت کے بعد تجہیز وتکفین اور تقسیم وراثت تک سارے احکام احادیث میں بیان کردیے گئے ہیں۔ غرض انسان کی ضرورت کی تمام ہدایات اور احکام ومسائل کو نبی ﷺ نے صاف صاف بیان کردیا ہے۔ جب احادیث نبویہ کے مطالعہ سے قاری کو اس کا علم ہوتا ہے تو خود بخود اس کے دل میں نبی ﷺ کے لیے محبت پیدا ہوتی ہے اور بار بار احادیث کا مطالعہ کرنے سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

۹۔ مشن رسالت سے عملی وابستگی:

آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کے ساتھ ہی رسالت کا سلسلہ ختم ہوا۔ اللہ کے بندوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے، حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کرنے اور شرک وکفر کے تمام دلائل کا ردوابطال کرنے

کے لیے اب کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے امتی ہونے کے ناطے امت محمدیہ کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کے مشن کی حفاظت کرے۔ دین کی تبلیغ واشاعت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عظیم فریضہ انجام دے۔ دین کو قائم اور غالب کرنے کے لیے اپنی جان و مال سے ویسے ہی جہاد کرے جیسا کہ نبی ﷺ پوری زندگی کرتے رہے۔ اہل ایمان سے ایمان بالرسالت کا یہی سب سے پہلا عملی مطالبہ اور تقاضا ہے۔ وفات نبوی کے بعد آج یہی حقیقتاً دین کی سب سے بڑی نصرت ہے۔ ہم مشن رسالت سے عملی طور پر وابستہ ہو کر دین کی نشر و اشاعت میں اپنے قول و قلم اور جان و مال سے جدوجہد کرتے رہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے تمام حاضر صحابہؓ کو دعوت دین کی عام ذمہ داری دی ہے۔ ظاہر ہے جب ہم عملی طور پر آپ ﷺ کے مشن سے وابستہ ہوں گے تو محبت رسول ﷺ میں اضافہ ہوگا۔ اس میدان میں بار بار سیرت کا تذکرہ ہوگا، احادیث کا مطالعہ ہوگا، نبی ﷺ کی سنت پر گفتگو ہوگی، اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو قابل عمل ثابت کیا جائے گا۔ غرض جس کی سرگرمیاں دن رات اسی مشن سے متعلق ہوں، اس کے دل میں محبت رسول ﷺ بڑھتی ہی جائے گی۔ اس میدان میں داعی کو آج بھی بعینہ بہت سے ان ہی مسائل و مراحل سے سابقہ پڑے گا جن کو وہ سیرت رسول ﷺ میں پڑھ اور سن چکا ہوگا۔ اس سے نبی ﷺ کی یاد تازہ ہوگی، عملی طور پر رہنمائی ملے گی اور محبت رسول ﷺ میں غیر معمولی اضافہ ہوگا۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں محبت رسول ﷺ میں اضافہ کے یہ بعض وسائل بیان کیے گیے ہیں۔ ان درج بالا نکات کو پیش نظر رکھتے ہوئے عوام الناس سے خطاب کیا جائے، دینی اجتماعات اور خطاب عام کی محفلوں میں اسی تناظر میں گفتگو کی جائے اور دینی رسائل وجرائد اور مجلّات میں اس پہلو کو سامنے رکھ کر مضامین تحریر کیے جائیں تو امید ہے کہ امت محمدیہ کے اندر واقعی محبت رسول ﷺ پیدا ہوگی، ان کے دلوں میں موجود محبت رسول ﷺ میں اضافہ ہوگا اور وہ قرآن وسنت میں مذکور احکام پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔

روزہ کی حقیقت

جوہر جاوید گیاوی، موبائیل نمبر: 8409640946

رمضان المبارک کی فضیلت بے حساب ہے۔اس کی فضیلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نبی اکرمؐ شعبان کے مہینے سے ہی اس کے استقبال کی تیاریوں کا آغاز فرما دیتے تھے، آپؐ کے شب و روز کے معمولات میں تبدیلی واقع ہو جاتی تھی، اور آپ صحابہ کرامؓ کو بھی اس جانب متوجہ کرتے تھے۔ترمذی کی ایک روایت کے مطابق ''آپؐ فرمایا کرتے کہ رمضان کے لئے تاریخ کا حساب شعبان سے کرو'' مزید برآں آپؐ نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنے کی ممانعت فرماتے تھے (ابوداؤد) اس فرمان کی حکمت یہ تھی کہ رمضان المبارک کے فرض روزوں کی ادائیگی میں جسمانی لحاظ سے مکمل نشاط قائم رہے اور کمزوری لاحق نہ ہو کہ فرض روزوں پر اس کا اثر پڑ جائے۔

اس کے علاوہ ایک سال آپؐ نے شعبان کی آخری شب میں صحابہؓ کے مجمع سے خطاب فرماتے ہوئے رمضان المبارک کے فیوض و برکات اور اس کی فضیلت و اہمیت پر بے حد قیمتی خطاب فرمایا۔اس خطبہ میں آپؐ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ اہل ایمان کے لیے اس ماہ مبارک کے فیضان سے بہرہ مند ہونے اور اس کے ایک ایک لمحہ سے مستفید ہونے کی جانب متوجہ کرتا ہے، اور ہمہ تن و ہمہ گوش خالق کائنات کی رضا و خوشنودی کا سراپا طالب بنا دیتا ہے۔

یہ حدیث پاک رمضان المبارک کے ہر پہلو کو محیط ہے۔رمضان المبارک کے فضائل کے باب میں یہ روایت کافی اہم ہے۔مؤمنین کے لیے یہ مکمل لائحہ عمل فراہم کرتی ہے۔آپؐ نے اس خطبہ میں جو باتیں ارشاد فرمائیں وہ اس طرح ہیں:

☆ رمضان المبارک بڑی عظمت و برکت والا مہینہ ہے۔

☆ اس کی ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی (نفل) عبادت سے بہتر ہے۔

☆اس ماہ میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ستر فرائض کے برابر کر دیا جاتا ہے۔

☆ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا صلہ جنت ہے۔

☆اس ماہ کی راتوں کے قیام کو قرب الٰہی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

☆اس ماہ میں اہل ایمان کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔

کسی روزے دار کو افطار کرانا جہنم سے نجات کا ذریعہ بنے گا۔

☆ جس نے کسی روزے دار کو پیٹ بھر کھانا کھلایا اسے حوض کوثر سے ایسا سیراب کیا جائے گا کہ اسے کبھی پیاس محسوس نہ ہوگی، حتی کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

☆ یہ وہ مہینہ ہے جس کا ابتدائی حصہ رحمت۔ درمیانی حصہ مغفرت اور آخری حصہ جہنم سے نجات ہے۔

☆ جو شخص اس ماہ میں اپنے نوکروں، غلاموں اور ملازموں کے کاموں میں تخفیف کرے گا وہ مغفرت کا مستحق ہوگا اور اسے جہنم کی آگ سے نجات ملے گی۔

اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث میں رمضان کی بے انتہا فضیلت بیان ہوئی ہے۔ مسند احمد اور سنن نسائی کی ایک روایت میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ''تمہارے اوپر رمضان کا مہینہ سایہ فگن ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اس مہینے کے روزے فرض فرمائے ہیں۔ اس ماہ میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور سرکش شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ اور اللہ کی طرف سے اس ماہ میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اور جو اس شب قدر کی بھلائیوں سے محروم رہا وہ تمام بھلائیوں سے محروم کر دیا گیا''۔

آئندہ سطور میں روزہ، رمضان المبارک، رمضان کے روزوں کی اس بے انتہا فضیلت کے اسباب وغیرہ امور پر گفتگو کی جائے گی:

روزہ

عربی زبان میں روزہ کے لیے 'صوم' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی رکنے اور چپ رہنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق ارشاد ہے کہ انہوں نے کہا ''میں نے رحمٰن کے لئے چپ رہنے کی نذر مانی ہے، لہٰذا آج میں کسی سے ہرگز بات نہیں کروں گی'' (سورہ مریم) روزہ کو صبر سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ جسکے معنی ضبط نفس کے ہیں۔ سید سلیمان ندویؒ نے لفظ صوم کے مختلف معنی

بیان کرتے ہوئے درج ذیل الفاظ میں اس کا مفہوم بیان کیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ ''روزہ درحقیقت نفسانی ہوا و ہوس اور بہیمی خواہشوں سے اپنے آپ کو روکنے اور حرص و ہوا کے ڈگمگا دینے والے موقعوں پر اپنے آپ کو ثابت قدم رکھنے کا نام ہے، روزانہ استعمال میں عام طور سے نفسانی خواہشوں اور انسانی حرص و ہوا کا مظہر تین چیزیں ہیں، یعنی کھانا اور پینا اور عورت و مرد کے جنسی تعلقات، ان ہی سے ایک مدت معینہ تک رکے رہنے کا نام شرعاً روزہ ہے، لیکن دراصل ان ظاہری خواہشوں کے ساتھ باطنی خواہشوں اور برائیوں سے دل اور زبان کا محفوظ رکھنا بھی خواص کے نزدیک روزہ کی حقیقت میں داخل ہے۔''

روزہ کا مقصد:

اسلام نے جن عبادات کو فرض قرار دیا ہے ان کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی رضا و خوشنودی کے حصول کا ذریعہ ہے اور مقصود بالذات ہے۔ تاہم شریعت کا کوئی حکم بھی خواہ وہ عبادات کی قبیل سے ہو یا معاملات و اخلاقیات کی قبیل سے، اس کی کچھ حکمتیں بھی ہوتی ہیں۔ گو کہ ظاہر بیں نگاہیں ان حکمتوں تک رسائی نہیں حاصل کر پاتیں۔ تاہم علی وجہ البصیرہ کسی حکم کی تابعداری کی شان ہی یہی ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ روزہ جو اسلام کا اہم ترین رکن ہے اور سابقہ شریعتوں میں بھی فرض تھا، نیز دیگر مذاہب عالم میں بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ اس کو فرض کیوں قرار دیا گیا؟

انسان اور ملائکہ میں جو چیز وجہ امتیاز ہے وہ یہ کہ انسان مختلف قسم کی ضروریات کا محتاج ہے۔ ضروریات کی اس لمبی فہرست میں اس کی سب سے بڑی ضرورت کھانا پینا ہے، جس کے بغیر اس کی زندگی کی بقا ممکن نہیں۔ زندگی کی بقا کے لئے انسان کی اس قدر اہم ضرورت کو محدود کرنے کی حکمت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے سید سلیمان ندویؒ اپنے مخصوص محققانہ انداز میں فرماتے ہیں:

''دنیا کے تمام مذاہب میں مادیت کی کثافتوں سے بری اور پاک ہونے کے لئے اکل و شرب سے ایک حد تک امتناع و پرہیز سب سے پہلی شرط رکھی گئی۔ جس سے اصلی مقصود یہ ہے کہ انسان رفتہ رفتہ اپنی ضرورتوں کا دائرہ کم کردے اور آخر یہ کہ قوت و غذا کی طلب و حرص سے بے نیازی کے لئے متواتر کوششیں جاری رکھے کہ انسانوں کے لئے تمام گناہ اور جرائم صرف اسی ایک قوت کے نتائج مابعد ہیں۔۔۔ لیکن جب تک انسان انسان ہے اس کو غذا سے قطعی بے نیازی ہونی ناممکن ہے، اس بنا پر تمام مذاہب نے اس سے اجتناب اور بے نیازی کی ایک حد مقرر کردی ہے۔''

اسلام کا مقصد نفوس انسانی کا تزکیہ، اخلاق کی تہذیب اور اصلاح و تربیت ہے۔ یہ ہی روح اسلام

کی فرض کردہ ہر عبادت میں جلوہ گر ہے۔ روزہ کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسانی نفوس کا مادی، روحانی اور اخلاقی لحاظ سے تزکیہ کیا جائے۔ تاکہ اس کے اندر اس مشق کے ذریعہ ملکوتی صفات پیدا ہوں۔ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

''روزہ کا مقصد انسانی نفس کو روحانی تقاضوں کی تابعداری اور فرمانبرداری کا عادی بنانا ہے۔ چونکہ یہ چیز تمام ہی انبیاء کے مقاصد بعثت میں نبیادی اہمیت کی حامل تھی۔ لہٰذا اسے تمام سابقہ شریعتوں میں فرض قرار دیا گیا۔ نیز روزے سے حیوانی جذبات کو قابو میں رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ شہوت کا زور کمزور پڑتا ہے۔ ملکوتی صفات کو نکھرنے کا موقع میسر آتا ہے اور نفس انسانی خواہشات کا پیروکار نہ بن کر عقل کی پیروی کرنے لگتا ہے''۔

مزید برآں روزہ سے روح صیقل ہوتی ہے، اخلاق سنورتے ہیں اور یہ متعدد بیماریوں کا علاج بھی ہے۔

روزہ بہت بڑی نیکی ہے :

روزہ بہت بڑا نیکی کا عمل ہے۔ اس کا اجروثواب شمار سے پرے ہے۔ حدیث قدسی میں نبی اکرمؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ ہوں''۔'' الصوم لی وانا أجزی به ''۔ اس قدر عظیم الشان اجروثواب کا وعدہ دوسرے اعمال صالحہ کے سلسلے میں منقول نہیں ہے۔

روزہ دار انسان صرف اور صرف خدا کے لئے مخصوص اوقات میں ہر طرح کی حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے۔ قسم قسم کے ماکولات ومشروبات اس کے سامنے موجود ہوتے ہیں۔ مرغوب ترین اشیاء دستیاب ہیں مگر ان کو وہ ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ صرف اس لیے کہ اس کے مہربان رب نے رمضان کے ان مخصوص ایام میں کھانے پینے اور جسمانی ضرورت کو پورا کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے۔ رب کی اطاعت اور اس کے حکم کی تعمیل کا یہ جذبہ ہی ہے جو اسے عظیم الشان اجروثواب کا مستحق بناتا ہے۔ رب کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین اس ماہ مبارک میں حق الیقین میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کی صفت حاکمیت اور مالک یوم الدین ہونے کا یقین رگ وپے میں سما جاتا ہے۔ وہ خواہ تنہائی میں ہو یا لوگوں کے ہجوم میں، بہ حالت روزہ اللہ تعالیٰ کی ممنوع کردہ چیزوں کی طرف نہیں بڑھ سکتا۔ ایک طرف وہ جہاں خدا کے حکم کی عدولی سے لرزہ براندام ہوتا ہے تو دوسری طرف اپنے رب کی بے پناہ رحمت وبرکت اور اجروثواب کا امیدوار، آخرت میں اس کی رضا وخوشنودی کا آرزومند اور خواہاں ہوتا ہے۔

روزہ ایک مخفی طریقہ عبادت ہے۔اس میں ریا کا کوئی موقع نہیں ہوتا، کامل اخلاص ہی روزے دار بندے کو بے حدوحساب اجر کا سزاوار ٹھہراتا ہے۔ روزہ میں بندہ اپنے اوپر حلال چیزوں کے تعلق سے بندش لگا کرحرام چیزوں سے رکنے میں بہ درجہ اولیٰ قادر ہو جاتا ہے۔خواہشات پر اس کا قابو ہوتا ہے۔ نفس پر اس کی حکمرانی قائم ہو جاتی ہے۔روزہ کی مشق سے بندہ کے اندر یہ استطاعت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ زندگی کے تمام دیگر معاملات میں خواہشات کی لگام اپنے ہاتھ میں رکھے،خواہشات کی رو میں وہ بہہ نہ جائے بلکہ وہ خواہشات کو اپنے خدا کی مرضی کا تابعدار بنائے۔رمضان المبارک میں روزے دار پر ایک سچا جذبہ اور صادق دھن سوار ہو جاتی ہے۔اپنے رب کو منانے کی دھن، اپنے مہربان آقا کو راضی کرنے کی دھن، اپنے خالق و مالک کے نزدیک سرخرو اور کامران ہونے کی دھن۔اور اس ''دھن'' میں وہ اپنے رب کے حکم سے کھانے پینے اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کو چھوڑ دیتا ہے، نماز کا وقت ہوتا ہے تو رکوع وسجود میں اس کی رضا تلاش کرتا ہے۔کبھی انفاق کے ذریعہ اور روزے دار کو افطار کرا کے اس سفر کو قطع کرنا چاہتا ہے۔کبھی اپنے رب کے بھیجے ہوئے پیغام کو حرز جاں بناتا ہے اور گھنٹوں اس کے معانی ومطالب پر غور وتدبر کرتا رہتا ہے، کبھی ذکر ودعا کا دامن پکڑتا ہے، کبھی راتوں میں اپنے رب کے حضور تنہائی میں کھڑا ہو کر اس سے راز و نیاز میں مصروف رہتا ہے، کبھی لیلۃ القدر کی تلاش وجستجو میں راتوں رات جاگتا ہے تو کبھی اپنے رب کی چوکھٹ پر جا پڑتا ہے اور مسجد میں معتکف ہو جاتا ہے۔ایسی سچی تڑپ، ایسا سچا جذبہ اور ایسی صادق دھن جس بندے پر سوار ہو جائے، خدا اس کو مل جاتا ہے، اس سے راضی ہو جاتا ہے اور اسے اپنے سایۂ عاطفت ورحمت کا مستحق قرار دیتا ہے۔ایسے ہی خوش قسمت بندوں کے لئے فرمایا گیا کہ میزان اور پیمانے ان کا اجر دینے سے قاصر ہیں۔''ان کا بدلہ تو میں ہی ہوں'' اور قرآن ان الفاظ میں ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کرتا ہے''والصائمین والصائمات......... أعد الله لهم مغفرةً و أجراً عظيماً۔(الاحزاب:۵)

روزہ رمضان ھی میں کیوں؟

ماہ رمضان کی فضیلت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اسلام کے ایک نبیادی رکن روزہ جیسی اہم عبادت کے لئے اس ماہ کا انتخاب کیا گیا۔روزہ کو رمضان میں فرض قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہی وہ مقدس مہینہ ہے جس میں انسانوں کی ہدایت کے لئے آخری اور معتبر ترین صحیفہ نازل ہوا۔نزول قرآن کے آغاز سے قبل نبی اکرمؐ مکہ کے غار حرا میں خدا کی عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ابن ہشام کی ایک روایت

کے مطابق نبی اکرمؐ ہر سال ایک ماہ کے لئے غار حرا میں خلوت نشینی اختیار کرتے تھے۔"کان النبیؐ یجاور فی حراء شھراً و کان ذلك مما تحنث به قریش فی الجاھلیة"

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اس حالت میں آپ کے روزے سے ہونے کی بات کہی ہے۔مزید برآں انہوں نے سیدنا عیسیٰ اور موسیٰ کے متعلق بھی لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کو توریت ملنے سے قبل وہ چالیس روز تک بھوکے اور پیاسے رہے،اور حضرت عیسیٰ بھی چالیس روز تک بحالت روزہ رہے قبل اس کے کہ ان کے منھ سے انجیل کے الفاظ گویا ہوئے۔

اس سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ علوم رتبت کے لیے روزہ جیسی اہم عبادت کا بہت بڑا کردار ہے، وہیں خدا کی عبادت کے لئے خود کو ماحول سے کنارہ کش کرلینا بھی انبیائی طریقہ کار ہے۔لہٰذا رمضان المبارک کے روزے اور اخیر عشرے کا اعتکاف نبی اکرمؐ کے اسی دور کی یادگار ہے جب آپ خدا کی طرف سے کسی واضح رہنمائی کی تلاش میں سرگرداں تھے۔

شاہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں رمضان میں روزہ کو فرض قرار دینے کی بابت لکھا ہے کہ جب روزہ کو فرض قرار دینے کی بات آئی تو اس کے لئے رمضان سے زیادہ موزوں کوئی اور مہینہ نہیں ہوسکتا تھا۔کیونکہ اسی ماہ مبارک میں قرآن نازل ہونا شروع ہوا،اسی مہینہ میں ملت مصطفوی راسخ و مستحکم ہوئی اور رمضان میں ہی شب قدر کا احتمال بھی ہوتا ہے۔' "و اذا وجب یتعین ذلك الشھر فلا أحق من شھر نزل فیه القرآن و ارتسخت فیه الملة المصطفویة و ھو مظنیة لیلة القدر"

رمضان المبارک سے قرآن کریم کا رشتہ بڑا ہی مضبوط ہے۔نبی اکرمؐ کے متعلق منقول ہے کہ رمضان میں آپؐ روزانہ حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے۔نیز آخری سال میں آپؐ نے دو مرتبہ قرآن کا دور کیا تھا۔رمضان کے شہر قرآن ہونے کا تقاضا ہے کہ امت محمدیہؐ اس ماہ مبارک میں قرآن کی طرف رجوع کرے،اس کے دلوں میں قرآن کے لئے ایمان و تعظیم کی کیفیت پیدا ہو،اس کے حقوق ادا کرنے کے لئے ہر ہر فرد کمر بستہ ہوجائے۔اس کے ایک ایک لفظ کو حرز جاں بنالے،اس کی تلاوت کرے،اسے پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرے،اس پر غور و تدبر کرے،اسے یاد کرے،نمازوں میں پڑھے،تراویح میں سنے،اور اس سے ہدایت طلب کرے۔اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کا عہد کرے۔اس کی دعوت دوسروں تک پہنچائے۔اپنے سماج اور گرد و نواح کو قرآن کی روشنی میں ڈھالنے اور سنوارنے کا عزم مصمم کرے،مختصر یہ کہ رمضان المبارک کا لمحہ لمحہ قرآن کے لئے وقف کردے۔

رمضان المبارک کا یہ عظیم الشان مہینہ قرآن کریم سے ہمارے رشتے کومضبوط کرنے کے لئے آتا ہے۔قرآن کی تعلیمات پر ہمیں کھڑا کرنے کے لئے آتا ہے،اور ہمارے اندر عزم وحوصلہ اور شوق ولگن پیدا کرنے کے لئے آتا ہے کہ ہم اپنی زندگی میں اس شمع سے روشنی حاصل کریں،اور شیطانی طاقتوں کا مقابلہ کرسکیں۔گھٹاٹوپ تاریکی میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کے درد کا درماں کرسکیں،اور انھیں ان کے رب سے وابستہ کرنے کا ذریعہ بن سکیں۔لیکن کیا آج ہمارا رشتہ قرآن پاک سے ان ہی نبیادوں پر استوار ہے؟ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عوام الناس کی تو قرآن حکیم سے بے اعتنائی جگ ظاہر ہے، مگر خواص بھی اس سے ویسے مستفید نہیں ہوتے جیسا کہ اس سے مستفید ہونے کا حق ہے،اور اس سے وہ مقاصد نہیں حاصل کئے جاتے جس کے لئے وہ آیا ہے۔

تقوی:

قرآن کریم نے روزہ کی غرض وغایت تقویٰ کو قرار دیا ہے۔تقوی صرف روزے کی ہی غایت نہیں ہے بلکہ اسلام کے تمام احکامات کی غرض وغایت اور ان کی روح تقویٰ ہی ہے۔قرآن کریم نے خدا کی بندگی کی غرض ہی تقوی کو قرار دیا ہے(البقرہ: 30)قربانی کا مقصد بھی یہی بتایا ہے کہ خدا کو تمہارے جانوروں کا خون اور گوشت نہیں، پہنچتا بلکہ تمہارا تقویٰ ہی پہنچتا ہے(الحج: ۵)حج کے متعلق بھی قرآن میں ارشاد ہے کہ جو اللہ کے شعائر کی عزت کرتا ہے،تو یہ دلوں کے تقوی کی علامت ہے۔(الحج:۴)مسجد کی تعمیر کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ ''جس نے اس کی عمارت خدا کے تقویٰ پر کھڑی کی۔(التوبۃ:13)

گویا تمام ہی احکام کی تعمیل کے ذریعہ جو چیز مطلوب ہے وہ ایک لفظ میں 'تقویٰ' ہے۔

آخر یہ تقوی کیا ہے؟ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ قرآن نے اپنی اس اصطلاح کا کیا مفہوم بیان کیا ہے اور وہ متقین کے کیا کیا اوصاف شمار کراتا ہے۔قرآن کریم نے لفظ تقوی کی حقیقت کو ایک نہایت ہی مختصر سے فقرے میں بیان کردیا ہے۔قرآن پاک کا ارشاد ہے:

والذی جاء بالصدق وصدق به اولئك هم المتقون۔ (الزمر:4)یعنی ''جو سچائی لے کر آئے اور اس کی تصدیق کرے وہی تقوی والا ہے''۔آیت 'بر'(البقرۃ:22)میں مختلف اعمال صالحہ کو متقین کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔جن میں خدا،آخرت، ملائکہ، کتاب اور نبیوں پر ایمان کے علاوہ خدا کی محبت میں رشتہ داروں،یتیموں،مسکینوں،مسافروں،سائلوں اور غلاموں کو آزاد کرانے میں اپنا مال خرچ کرنا،نماز قائم کرنا،زکوٰۃ ادا کرنا،ایفائے عہد کرنا،لڑائی سختی اور تکلیف میں صبر کرنا شامل ہے''اولـــئك

الذين صدقوا و اولئك هم المتقون''۔

قرآن نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ تقویٰ کا اصل مرکز دل ہے، جیسا کہ حج کی غایت کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔''فانها من تقوی القلوب''۔

تقوی درحقیقت بندۂ مومن کے دل کی اس ایمانی کیفیت کا نام ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے کا یقین دلاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں اعمال صالحہ کے طرف اس کے قدم خود بخود اٹھنے لگتے ہیں اور شر سے ایک فطری نفرت یا دوری پیدا ہوجاتی ہے۔ نیک اعمال کی توفیق اوراس کی طرف رغبت پیدا ہونے لگتی ہے اور معصیت وسیئات سے شدید کراہیت ونفرت۔ ایمان کی اسی کیفیت جس کا نام تقوی ہے، اس کی طرف محمد عربیؐ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''جب نیکی کرنے کے بعد لذت وسرور کی کیفیت پیدا ہواور برائی کرنے کے بعد دل رنجیدہ ہوتو یہ ایمان کی علامت ہے اور جو چیز دل کو کھٹکے چھوڑ دینا چاہئے'' (احمد)

روزہ سے تقوی کے جس خاص پہلو کو تقویت ملتی ہے وہ ہے ضبط نفس، صبر اور اپنی خواہشات پر کنٹرول رکھنا۔ اپنی خواہشات کو جذبات کی رو میں بہہ جانے سے بچالینا۔ یہی زندگی کے تمام معاملات میں کامیابی کی کلید ہے۔ قرآن نے بھی جو ''والذی جاء بالصدق'' کہا ہے، اس کا بھی یہی مفہوم ہے کہ انسان اپنی زندگی کے جملہ امور میں اسی شاہ راہ پر کار بند ہو، جو صدق ہو اور اس صدق کی وہ اپنے ہر ہر عمل سے تصدیق کرے، ورنہ محض صدق کو صدق جاننا مفید نہیں۔ روزہ کے متعلق بھی نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ بہت سارے روزے داروں کو بھوک اور پیاس کے سوا کچھ نہیں ہاتھ آتا، اس کا بھی یہی مفہوم ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بحالت روزہ انسان حلال چیزوں کو تو خود پر حرام کرلے اور حرام چیزیں جو بہر صورت حرام ہیں اسے کرتا رہے۔ روزہ تو اس بات کی عملی مشق کرانے کے لئے آتا ہے کہ جو انسان حلال چیزوں کو بھی خدا کی مرضیات پر ترک کرسکتا ہے وہ اس کی حرام کردہ اور ممنوع چیزوں کی طرف کیونکر بڑھے گا۔ جو ماء معین کا ایک گھونٹ وطعام طاہر کا ایک لقمہ بھی اپنے منھ میں نہیں ڈال سکتا وہ حرام چیزوں کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھنا بھی کیسے گوارہ کرسکتا ہے۔ رمضان کے فیوض اور برکات کے تب ہی مستحق ہوں گے جب روزہ کے یہ مقاصد حاصل ہوں۔

ہندو اہل علم کی سیرت نگاری (۲)

اردو اور ہندی تحریروں کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر ضیاالدین ملک فلاحی،
اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۵) ہندو نعت گو شعراء کی اردو تخلیقات

منظوم اردو کلام میں ہندو نعت گو شعراء کی سرگرم مشارکت رہی ہے اور یہ سلسلہ ۱۸۵۷ء کے بعد تیز تر ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ ہندو مصلحین اور محققین غالباً اس حقیقت کا ادراک کرنے میں حق بجانب تھے کہ پہلی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ہندو اور مسلمان دو قوموں کو آپس میں ٹکرانے کی ''انگریزی مہم'' رفتار پکڑے گی چنانچہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے قیام کی ضرورت کا احساس اردو نعتیہ شاعری کے عروج کا ایک اہم سبب قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہندو شعراء نے مذہب اسلام کے عظیم قائد حضرت محمد ﷺ کی سیرت مبارکہ کے مختلف پہلوؤں کو شاعری کا جامہ پہنایا۔ اور اخلاق حسنہ، مساوات، عدل و انصاف، طہارت و سادگی کی تعلیمات کے علاوہ آپؐ کو انسانیت کا نجات دہندہ قرار دیتے ہوئے آپؐ سے شفاعت طلب کی ہے۔

اردو زبان میں ہندو نعت گوئی کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ الوہیت اور نبوت کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا جاسکا، خدا اور رسول کے مقام اور صفات کو خلط ملط کردیا گیا اس طرح حفظ مراتب نظر انداز ہوتا چلا گیا، چنانچہ احترام رسول کے جلو میں بے شمار ہندوستانی تصورات نے نعت گوئی میں داخلہ پالیا جس کا منفی پہلو یہ ہے کہ مسلم نعت گو شعراء بھی ان اثرات سے بچ نہ سکے اور رسالت محمدی کے ڈانڈے توحید خداوندی سے ملا دیئے گئے۔ حضور اکرم ﷺ کو احمد بے میم اور عرب بلا عین کہا جانے لگا۔ دوسری جانب ہندی زبان کی اصطلاحات، بھجنوں کے اسالیب و رموز اور تشبیہات و

استعارات کا استعمال نعتیہ کلام میں بکثرت نظر آنے لگا۔ چنانچہ نعت میں وسعت پیدا ہوئی اور ہندی اصناف شاعری یعنی دوہا، گیت راگ اور بھجن وغیرہ کے انداز میں نعت کہنے کا رواج عام ہوا۔ اس طرح کرشن مہاراج کی تعریف اور محبت میں لکھے جانے والے گیتوں کی لے اور جذبات و کیفیات کے اظہار کا نسائی انداز نعت میں در آیا چنانچہ ہندی راگوں کی لے اور گیتوں کے انداز پر نعتیں لکھی جانے لگیں مثلاً ٹھیٹھ دادرا، کھماچ قوالی، مانڈ وروارڑی، ٹھمری وغیرہ اصناف میں نعت گوئی کی مثالیں بکثرت دستیاب ہیں۔ ۳۵؎

پروفیسر شیث اسماعیل کی تحقیق کے مطابق اس ضمن میں پہلے ہندو نعت گو شاعر منشی شنکر لال ساقی (م ۱۸۰۹ء) ہیں جنھوں نے پہلی جنگ آزادی سے بہت پہلے نعت گوئی کا آغاز کر دیا تھا مگر شہرت انھیں بعد میں نصیب ہوئی۔ ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

آیت لولاک سے ظاہر تھی عظمت آپؐ کی	سب سے پہلا تھا یہی نور نہاں قندیل میں
کیا کہوں جلوہ تھا کیا صلِّ علی صلِّ علی	رہ گئی تھی دیکھ کر حیران و ششدر چاندنی ۳۶؎

سطور ذیل میں بعض ہندو نعت گو شعراء کے چند اردو اشعار پیش کیے جا رہے ہیں، جن کے ذریعہ سیرت رسول ﷺ کے سلسلہ میں ان کی خدمات، اعترافات اور نظریات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ اشعار ڈاکٹر شیث اسماعیل کی مذکورہ کتاب ''دراسات اسلامیہ کے فروغ میں ہندوؤں کی خدمات'' سے ماخوذ ہیں:

(۱) جگن ناتھ آزاد بن پروفیسر تلوک چند (پ ۱۹۱۸ء)

جگن ناتھ آزاد کی ایک خوبصورت نعت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مطالعۂ سیرت کافی وقیع تھا۔ اس نعتیہ کلام میں وہ حضور اکرم ﷺ کے تئیں محسن انسانیت، ختم المرسلین، رحمۃ للعالمین، خلیق، کریم، رؤوف، رحیم، صادق الوعد، معلم، صاحب ام الکتاب، شمس الضحیٰ، ظل سبحانی، نور یزدانی، وقار آدم وغیرہ کی اصطلاحات کا آزادانہ استعمال کرتے ہیں۔ ان الفاظ کے ذریعہ ذات گرامی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے تئیں جگن ناتھ آزاد کے خیالات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مبارک ہو زمانے کو کہ ختم المرسلیں آیا	سحاب رحم بن کر رحمۃ للعالمیں آیا
کہا قرآں نے جن کو صاحب خلق عظیم آیا	بشر بن کر زمانے کا جمال اولیں آیا

جہانِ کفر و باطل میں صداقت کا ظہور آیا　　حقیقت کی خبر دینے بشیر آیا نذیر آیا
نوید جانفزا پائی تییموں نے غریبوں نے　　غلاموں، بے سہاروں، بیکسوں آفت نصیبوں نے
بڑے چھوٹے میں جس نے ایک اخوت کی بنا ڈالی　　زمانے سے تمیز بندہ و آقا مٹا ڈالی ۲۷

مذکورہ نعت گو شعراء کے علاوہ ایک طویل فہرست ہے جس کو اس مختصر تحریر میں شامل کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ حضرات ذات رسالت مآب سے شفاعت طلبی اور روز محشر اپنی نجات کے متمنی نظر آتے ہیں۔ توصیفی کلمات بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً منشی گوبند پرشاد فضاؔ، چاند بہاری لال ماتھر صباؔ (پ۱۸۸۵ء)، مہر لال سونی ضیاؔ (پ۱۹۱۳ء)، منشی روپ چند، چندی پرشاد شیداؔ، مہاراج بہادر برقؔ، پیارے لال رونقؔ دہلوی، ہرگوپال تفتہؔ، منشی شنکر لال ساقیؔ (م۱۸۰۹ء)، منشی لچھمی نرائن سخاؔ، منشی للتا پرشاد شاؔد، دھرم پال گپتا، رگھوناتھ سرحدیؔ وغیرہ۔

(۲)　پنڈت مالمکند عرشؔ (پ۱۹۰۸ء)

موصوف نے اپنی شاعری کے ذریعہ مذہبی تعصب سے بالاتر ہوکر مخلوط معاشرے میں محبت و یگانگت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مولانا عبدالماجد دریابادی کہتے ہیں کہ ان کی شاعری میں دلی تڑپ اور خلوص نمایاں ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ ہندوستان میں پنڈت بالمکند نے وہی کارنامہ انجام دیا جو سروجنی نائیڈو اور سر کشن پرشاد نے انجام دیا ہے۔

ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

تیرے عمل کے درس سے گرم ہے خون ہر بشر　　حسن نمود زندگی رنگ رخ حیات نو
رخ مصطفیٰ کا جمال اللہ اللہ　　زباں کا وہ حسن مقال اللہ اللہ
معطّر فضا مست ساری خدائی　　صبا مشک افشاں مدینے سے آئی

(۳)　منشی بشیشور پرساد منورؔ لکھنوی نے کہا:

آپ کے پیغام کی بنیاد تھی الہام پر　　اک نئی دنیا بسا ڈالی خدا کے نام پر
آپ نے کر دی نجات روح کی پیدا سبیل　　حشر میں اہل صفا کے آپ ہی ہوں گے وکیل

(۴)　پنڈت شیوناتھ چک کیفؔ (م۱۹۱۴ء) کشمیری پنڈت، اردو فارسی کے عالم کہتے ہیں:

مدح خواں ہوں جان و دل سے میں شہ لولاک کا　　ہے جو ختم المرسلین پیارا خدائے پاک کا

(۵)　تربھون شنکر عارفؔ، ۱۹۶۸ء میں اجمیر میں ریلوے کی ملازمت سے سبک دوش

ہوئے۔عقیدت کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

بھول سکتے نہیں ہم آپ کے احسانوں کو — آپ نے بخشا ہے قرآن یہ انسانوں کو
کتنے فیاض ہیں سرکار مدینے والے — راہ جنت کی بتا دیتے ہیں دیوانوں کو

(۶) مہاراجہ سرکشن پرشاد (م ۱۹۴۰ء) عقیدۂ رسالت کے ضمن میں کہتے ہیں:

ان کا کہنا ہے وحی ما یوحی — نہ بناوٹ نہ اس میں کوئی قصور
ختم الرسل ہادی کل ہیں باعث ہر جزو کل — سلطان دین شمس الیقین ہیں رحمۃ للعالمین

(۷) دلورام کوثری، برصغیر کے بڑے ہندو نعت گو شاعر، صوفی پیر جماعت علی شاہ نے انھیں حسان الہند کا خطاب عطا کیا۔ شعر کہتے ہیں:

نبی کا نطق ہے نطقِ الٰہی — کلام حق ہے فرمان محمد
شریعت اور طریقت اور حقیقت — یہ تینوں ہیں کنیزانِ محمد

۸- سوم ناتھ سوم مورنڈوی کے یہ اشعار دیکھیے:

ہے قرآن سے جو قریب تر بس وہی معتبر — جو کلام حق کا ہے آئینہ وہی اعتبار کی بات ہے
ہے قدم میں جس کے شہنشہی ہوئی ختم جس پہ پیمبری — وہ جو تاج بخشِ زمانہ ہے اسی تاجدار کی بات ہے

۹- سرداری لعل نشتر، رسالت محمدی کی تحسین کرتے ہیں:

نبیوں کے محسن نگہبان تھے وہ — غریبوں پہ سو دل سے قربان تھے وہ
میسر یہ قدرت کسی کو کہاں تھی — زبان محمد خدا کی زباں تھی

۱۰- جگن ناتھ کمال کے یہ تین اشعار سنئے:

یہی وہ نور تھا جو باعث تخلیق آدم تھا — یہی دنیائے محزوں میں چراغ خانہ غم تھا
مبارک باد دینے کے لیے روح الامیں آئے — مباک ہو کہ بزم دہر میں خلوت نشیں آئے
امین جنس وحدت آئے ختم المرسلیں آئے — محمد مصطفیٰ محبوب رب العالمیں آئے

۱۱- سندر لال حمید نے فلسفیانہ انداز میں رسالت محمدی کو گرگیانی کا لقب دیا ہے:

سب مایا ہے اس خالق کی جو خالق ہے ہر مایا کا — تم اس کے ہوتے اپنا سر کیوں دھرتے ہو بیچاروں میں
ہم داس رہیں گے مرتے دم تک یار واس گرگیانی کے — ہیں روپ سروپ محمد کے یاں قدرت کے آچاروں میں
تم لے لو اس کا نام حمید اپدیش کرو اس نگری میں — یہ گیان دھرم کی آن نہیں ہے جا کر چھپنا غاروں میں

۱۲- کنور مہندر سنگھ بیدی سحر (پ ۱۹۱۰ء) نے توحید و رسالت کی حقیقت کو ان اشعار میں سلیقے سے ادا کیا ہے:

تکمیل معرفت ہے محبت رسول کی | ہے بندگی خدا کی اطاعت رسول کی
فرمان رب پاک ہے فرمان مصطفیٰ | احکام ایزدی ہیں ہدایت رسول کی

۱۳- گرسرن لال ادیب لکھنوی:

پریم کی گنگا بہائی جس نے ریگستان میں | روح تازہ پھونک دی مٹتے ہوئے ایمان میں
وہ صداقت کا علم بردار وحدت کا خطیب | ظاہر و باطن کے سب انوار تھے جس کے قریب
انبیاء پر برتری کا تھا شرف جس کو نصیب | وہ خدائے پاک و برتر نے کہا جس کو حبیب

۱۴- پنڈت ہری چند اختر:

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اس کے نام پر | الله الله موت کو کس نے مسیحا کردیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا در یتیم | اور غلاموں کو زمانے بھر کا آقا کردیا[۳۸]

چند دیگر نعت گو ہندو شعراء کے احساسات اس اختصاریہ میں ملاحظہ کریں:

۱- ہمسر ہے کون شان رسالت مآب ﷺ کا — منشی پیارے لال رونق دہلوی
۲- شان، محمد، فرمان محمد، عرفان محمد، دامان محمد، عنوان محمد ﷺ — مہر لال سونی ضیاء
۳- نبی پر لاؤ ایمان — عرش صبائی
۴- محمد کے آنے سے جہالت کی گھٹا ختم ہوئی — بابو برج گوپی ناتھ بیکل امرتسری
۵- آپ ﷺ ہیں افضل الانسان — رویندر جین
۶- روشن دلم زجلوۂ روئے محمد ﷺ است — شنکر لال ساقی
۷- دل سے تم عزت محمد ﷺ کی کروائے ہندو — رام پیاری
۸- دل و جان پہ ہے اکرام محمد ﷺ — پرویز، پرکاش ناتھ
۹- دنیا کو آ کر تم نے پرنور کردیا — شیام سندر، سندر ایڈیٹر پارس لاہور[۳۹]

(۶) نومسلموں کی شہادتیں

سیرت رسول ﷺ سے متعلق ایک خوشنما پہلو ان نومسلموں کے انٹرویوز اور تبصرے ہیں جنھیں مطالعہ اسلام اور سیرت کے نتیجہ میں حلقہ بگوش اسلام ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ڈاکٹر عبدالغنی

فاروق کی کتاب 'ہمیں خدا کیسے ملا؟' میں دنیا بھر کی ۸۰ نومسلم خواتین کے قبول اسلام کی ایمان افروز داستان، مدھر سندیش سنگم، نئی دہلی سے ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں بھارت کی ایینہ تھامس، ڈاکٹر کملا ثریا، راجکماری جاوید بانو بیگم، دیانگر کی شہزادی اور ڈاکٹر عائشہ عبداللہ کے واقعات اپنے اندر ایمان کی لذت وحلاوت رکھتے ہیں۔

۱- ڈاکٹر کملا داس ثریا (م ۲۰۰۹ء) نے ستائیس برس کے انتظار کے بعد ۱۲/دسمبر ۱۹۹۹ء کو اپنا اسلام ظاہر کیا، وہ ایک ناول نگار، شاعرہ اور بین الاقوامی شہرت رکھنے والی مصنفہ ومحققہ ہیں۔ وہ ۱۹۳۴ء میں کیرالا کے نائر ذات کے متمول ہندو گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ انھوں نے نصف درجن انگریزی نظمیں لکھیں جن میں Descendants (۱۹۶۷ء)، اور Only the Soul Cansing (۱۹۹۶ء) کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ملیالم زبان میں انھوں نے ایک نعت پیش کی جس کا ترجمہ کلیم احمد نے Ya! Mohammad کے عنوان سے کیا ہے۔ ان کے قبول اسلام کی خبر اور خود ان کا انٹرویو ٹائمز آف انڈیا، خلیج ٹائمز وغیرہ میں شائع ہوا تو دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ انھوں نے توحید ورسالت، مساوات وتحفظ نسواں اور اسلام کے مبنی بر عقل ہونے کو اپنی رضا وتسلیم کیا سبب بتایا۔ وہ کہتی ہیں کہ برقع بلٹ پروف جیکٹ ہے جس میں عورت مردوں کی ہوس ناک نظروں سے محفوظ رہتی ہے۔[۴۰]

۲- راجکماری جاوید بانو بیگم، بنگال کے مشہور ہندو راجہ کی صاحب زادی ہیں۔ کہتی ہیں کہ ہندو گھرانے میں پیدائش ہوئی مگر پرورش عیسائیت کے گہوارے میں ہوئی۔ ان کا احساس ہے کہ ہندوؤں کی حالت قابل رحم ہے، مزید فرماتی ہیں کہ کیا ہمارے آقائے نامدار محمد مصطفی ﷺ تمام روحانی رہنماؤں میں ایک ایسی شخصیت نہیں جنھوں نے آزادی، اخوت ومساوات کے ایسے زرّیں اصول بتائے ہیں جن کے ذریعے ہم صراط مستقیم پر چل کر نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ کیا دنیا میں اسلام کے سوا ایسا کوئی مذہب ہے جس میں خدا کا نام عالمی زبان میں ہو؟ اللہ کا لفظ تمام مسلمانوں کے لیے خواہ چینی ہو یا ہندی، یکساں ہے۔ السلام علیکم تمام مسلمانوں کو یکساں ہونے کا سبق دیتا ہے، خواہ کسی قومیت یا کسی ملک کے ہوں اور ان کی کوئی زبان ہو۔[۴۱]

۳- دیانگر کی شہزادی (حسینہ بیگم) کو پنڈتوں کی بداخلاقی سے سابقہ پیش آیا انھیں عصمت کے تار تار ہونے کا خطرہ بیوگی کی زندگی میں لاحق تھا! ۱۹۰۳ء میں پجاریوں پر ایک مقدمہ چلا تھا، بنارس کے ایک تہہ خانہ سے تقریباً ۷۰/بچوں کی کھوپڑیاں برآمد ہوئی تھیں جن کو پنڈتوں نے مار کر پھینک دیا تھا،

دوسری طرف مندروں میں اچھوت کا داخلہ ممنوع تھا۔ ذاتی عدم تحفظ اور پجاریوں کی بدکرداری کے واقعات کے بالمقابل دیانگر کی شہزادی کو سیرت پاک کا وہ پہلو جس میں عملاً مساوات کا رویہ اپنا کر دکھایا گیا کافی پسند آیا۔ چنانچہ ایک حلال خور کا مسجد میں آ کر جھاڑو رکھنا، وضو کرنا، سب کے ساتھ نماز پڑھنا اور کسی کا برا نہ ماننا اس قدر پسند آیا کہ وہ ایک مولوی صاحب کے خاندان کا حصہ بن کر مشرف بہ اسلام ہوگئیں۔ ڈاکٹر عائشہ عبداللہ کے قبول اسلام میں رسول اکرم ﷺ کے ذریعہ برپا کی گئی مساوات کی تعلیم نے اہم کردار ادا کیا ہے۔[۴۲]

حاصل بحث

گزشتہ بحث سے سیرت رسول پر ہندو نگارشات کے سلسلہ میں مختلف رویوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ جنھیں اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:

۱-منظوم کلام (اردو اور ہندی) تمام کا تمام مثبت اعترافات پر مبنی ہے۔ الزام تراشی، تنقیدی اور تنقیصی نقطۂ نگاہ کا کہیں سراغ نہیں ملتا، البتہ فکری کجی اور کمزور استدلال جو مسلم نعت گوئی میں بھی کہیں کہیں نظر آتا ہے، ہندی تحریریں بھی اس نقص سے پاک نہیں ہیں۔

۲-بعض ایسے ہندو محققین، مصلحین اور مورخین ہیں جنھوں نے اردو منظوم کلام کے ذریعہ نعت گوئی کے قالب میں مقام نبوت اور کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ اخلاق حسنہ، سادگی، عدل و انصاف اور مساوات کی تعلیمات کے علاوہ انسانیت کا نجات دہندہ قرار دیتے ہوئے آپؐ سے شفاعت طلب کی ہے۔ کئی درجن ایسے ہندو اصحاب علم ہیں جن کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ چند نام یہ ہیں:

لچھمی نرائن شفیقؔ، راج مکھن لال، منشی شنکر لال ساقیؔ، پنڈت شیو ناتھ چک کیفؔ، منشی للتا پرشاد شادؔ، منشی درگا سہائے سرورؔ، فراقؔ گورکھپوری، جگن ناتھ آزادؔ وغیرہ۔

۳-ہندی، اردو اور انگریزی زبانوں میں معترضین کے اعتراضات کے جلو میں بعض قابل تحسین پہلو بھی سامنے آتے ہیں کیونکہ متشدد و متعصب ہندوؤں نے بھی رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں قابل تقلید اور قابل تحسین پہلوؤں کی جانب اشارے کیے ہیں۔ اسی طرح ان زبانوں میں جو مستقل/ غیر مستقل مقالات/ کتابچے دستیاب ہیں ان میں بے شمار رجحانات کی عکاسی ہوتی ہے اور بیشتر میں یہ علماء ہنود مسلمانوں کے طرز و منہاج سے بہت قریب نظر آتے ہیں۔

۴-چندان سیرت نگاران سے بھی واقفیت ہوئی جنہیں اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب

ہوئی، مثلاً نشیکا نتا چتو پادھیائے کا نام مولوی محمد عزیز الدین رکھا گیا، اڈیار عبداللہ کے نام سے اور کملا دیوی کملا ثریا کے نام سے معروف ہوئیں۔ دیانگر کی شہزادی کو حسینہ بیگم جبکہ بنگال کے راجہ کی صاحبزادی کوراجکماری جاوید بانو بیگم کا نام دیا گیا۔ان حضرات کی اسلام سے پہلے اور بعد کی تحریروں سے ہندونفسیات کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ یہ تحقیقی کام وقت کی ضرورت ہے محققین کواس جانب توجہ دینی چاہیے۔

۵-بعض ایسے ہندو نثر نگار ہیں جنھوں نے اردوزبان کے سیرت لٹریچر میں اضافہ کیا ہے، اس ضمن میں سوامی لکشمن، این-سی-مہتا، سندر لال، مالک رام وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

۶-آخری بات یہ کہ اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں ہندوؤں کے ذریعہ سیرت پاک ﷺ پر دستیاب سرمایہ کے ذریعہ سیرت لٹریچر میں بے پناہ اضافہ ہوگیا ہے۔ سیرت نگاری کے اس سرمایہ میں مثبت اور منفی منہاجیات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ جس جانفشانی کے ساتھ معتدل مزاج ہندو محققین نے سیرت پاک کے ان پہلوؤں میں صحیح تاریخی شعور کی وضاحت کی ہے انھیں دعوتی مشن کے لیے قیمتی سرمایہ تصور کیا جائے اور جن حضرات نے مغربی متعصب محققین کے سُر میں سُر ملا کر سیرت پاک کے مختلف گوشوں کو دانستہ لہولہان کیا ہے، ان تک صحیح، مثبت اور معقول علمی سرمایے کو پہنچایا جائے تا کہ ان کے اذہان میں رچی ہوئی پرانی دشمنی اور تعصب کا گہرا اثر زائل ہو سکے۔ ۴۳؎

حوالہ جات

۳۵؎ اردو میں نعتیہ شاعری، ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق، کراچی، اردو، سندھ، ۱۹۷۶ء، ص ۹۶-۱۰۲، ۱۱۲، مزید دیکھیں: دراسات اسلامیہ کے فروغ میں ہندوؤں کی خدمات، پروفیسر شیث محمد اسماعیل اعظمی، کتابی دنیا، دہلی ۲۰۰۳ء، ص ۱۳۱-۲۳۱-۱۶۹۔

۳۶؎ ڈاکٹر شیث اسماعیل، ۲۰۰۲ء، ص ص ۱۷۴-۱۷۵

۳۷؎ دیکھیے محمد انور بن اختر، اسلام قرآن محمد غیر مسلموں کی نظر میں، فرید بکڈپو، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۴

۳۸؎ ڈاکٹر شیث اسماعیل، ۲۰۰۲ء، ص ص ۱۹۱-۱۹۲

۳۹؎ مکمل کلام کے لیے ملاحظہ کریں، اسلام قرآن محمد غیر مسلموں کی نظر میں، محولہ بالا، فرید بک

ڈپو، ۲۰۰۵ء، ص ص ۴۰۱-۴۰۹

۴۰؎ ڈاکٹر عبدالغنی فاروق، ہمیں خدا کیسے ملا؟، مدھر سندیش سنگم، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۲-۱۰۸، نیز دیکھیے، Masoodul Hasan English Poems on Prophet Mohammad, Viva Books, New Delhi, 2015, p.108-109

۴۱؎ ڈاکٹر عبدالغنی فاروق، ہمیں خدا کیسے ملا؟ محولہ بالا، ص ۱۲۱-۱۲۳

۴۲؎ ڈاکٹر عبدالغنی فاروق، ہمیں خدا کیسے ملا؟ محولہ بالا، ص ص ۱۶۶-۱۷۱، ۲۹۰، ۲۹۳

۴۳؎ انگریزی زبان میں ہندو اہل علم کی نگارشات کے لیے ملاحظہ کریں، مقالہ راقم: سیرت نگاری میں ہندو اہل علم کا حصہ، مشمولہ در: دور جدید میں سیرت نگاری کے رجحانات (مقالات سیرت سیمینار منعقدہ ۲۶-۲۸ مارچ ۲۰۱۱ء) ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

سفرنامہ

ایک تعلیمی سفر

حقائق و مشاهدات اور نتائج وتا ثرات

مولانا محمد محفوظ فلاحی، ناظم جامعۃ الحکمۃ، بھوپال

موبائیل نمبر:07970074460

مولانا محمد محفوظ فلاحی صاحب کا نام فارغین جامعة الفلاح کے درمیان کافی نمایاں هے۔ موصوف تعلیم وتدریس کے میدان سے وابسته هیں۔ اس فیلڈ میں آپ نے متعدد اهم تجربات کیے هیں۔ چند سال قبل آپ نے اسی سلسلے میں الجامعة الاسلامیه شانتاپرم کیرلا اور جامعه دارالسلام عمرآباد کا سفر کیا تھا۔ یه مضمون اسی سفر کی مختصر روداد هے۔

الجامعة الاسلامية شانتاپورم کیرلا کا سفر

پہلے سے اندازہ تھا کہ کیرالا کے لوگ منکسر المزاج، ہنس مکھ اور سمجھدار ہوتے ہیں۔ اپنے تصور کے مطابق وہاں تقریباً لوگوں کو ایسا ہی پایا۔ الجامعۃ الاسلامیۃ کے اساتذہ بھی بالکل ایک عام فرد کی طرح ملے یا اپنے انداز سے واقعتاً ایک عالم یا ایک طالب علم معلوم ہوئے۔ حتی کہ یوپی اور بہار وغیرہ کے بعض اساتذہ بھی یہاں کے مزاج میں ڈھلنے کی وجہ سے مزاجاً کیرالا کے معلوم ہوئے۔ یہاں کے طالب علموں کو محسوس کیا کہ وہ انکساری اور بے تکلفی سے بات کرتے ہیں۔ اگر راہ چلتے ملاقات ہو جائے تو کافی دیر تک گفتگو کرتے ہیں اور اگر کوئی خدمت بن پڑے تو وہ کرنا چاہتے ہیں۔ انکساری اور بے تکلفی کا یہ

Combination بہت اچھا لگا۔

الجامعۃ الاسلامیۃ میں ایس آئی او آف انڈیا کافی سرگرم ہے۔ اس کا آفس ہے، اس کے ایکٹیو ورکرس ہیں جو طلبہ پر اپنی معاونت اور مدد کے ذریعے اثر انداز ہوتے ہیں۔ ادارہ میں ان کے مختلف پروگرامس ہوتے رہتے ہیں۔ یہ ادارہ با قاعدہ جماعت اسلامی ہند کا مانا جاتا ہے۔ اس میں داخلہ لینے والے طلبہ مدرستہ الاصلاح، جامعۃ الفلاح اور جامعۃ الہدایۃ وغیرہ سے فارغ التحصیل ہیں۔ مہاراشٹر، کرناٹک اور بہار وغیرہ کے اردو اسکولوں کے طلبہ کی خاصی تعداد بھی یہاں نظر آئی۔ بھوپال کے بھی ایک دو طالب علم ہیں۔

یہاں کی ظاہری ترقی اور نظم وانتظام کو دیکھ کر دل للچاتا ہے کہ ہم بھی تو اپنی جگہ پر رہ کر یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔

مجھے یہ جملہ بہت برا لگتا ہے کہ ہمارے یہاں لوگ کچھ نہیں کر رہے ہیں۔ اس منفی ریمارک کے بجائے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ جو اسباب اللہ نے اوروں کے ساتھ جمع کیے ہیں وہ سب کے لیے مشترک ہیں۔ کسی کے اندر کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے ہیں۔ بس شکوہ وگلہ اور منفی طرز کو ہٹانا شرط ہے، پھر اپنی بساط بھر کوشش کر ڈالنا ہے۔ سب سے اہم وسیلہ ہماری جان اور ہمارا جسم ہے اور اس میں موجود امنگیں، ولولے اور آرزوئیں ہیں۔ اگر یہ بنیاد موجود ہے تو اب صرف گودا اور چھلکوں کی ضرورت ہے۔ اس میں بھی اصل بات یہ ہے کہ جس اللہ نے اتنے اہتمام سے یہ گودا مہیا کیا ہو وہی اللہ اس میں گودا بھی پیدا کر دے گا۔ جس درخت کو خدائے باکمال نے ایک بیج میں پیدا کر دیا ہو وہی خدا اس بیج کو کونپل، تنے، ٹہنیاں، پتے اور برگ و بار عطا کرتا ہے۔ ذرا ہم سوچیں کہ وہی خدائے عظیم و باکمال ہم کو ہماری سرزمین پر لگنے والا ایک پرخوشہ و پر برگ و بار درخت بنا سکتا ہے۔ ویسے بھی دیرپا کام دوسروں کے لیے یا اپنی آنے والی نسلوں کے لیے ہوتے ہیں۔

الجامعۃ الاسلامیۃ کا اپنا کوئی بنیادی تعلیمی نظام نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ کوئی اسکولی تعلیم کا بیس لے کر آئے اور اسلامی تعلیم یا عربی زبان کی کوچنگ سطح کی تعلیم لے کر آئے تو یہ اسی بنیاد پر آگے کی تعلیم دیں گے یعنی بنے ہوئے بچے کو اپنے نظام تعلیم سے جوڑ کر وہ اسلامی تعلیم دیں گے۔ مطلب یہ کہ اصلاً عربک اور اسلامک تعلیم کا نظام ہے۔ جدید تعلیم کو سائڈ سے جاری رکھنے کا پلان ہے۔ اس اعتبار سے یہ ایک نئی اور ضرورت کی چیز تو ہوئی، لیکن روایتی مدارس کی بنیادی معیار کی تعلیم اور اختصاصی نوعیت کی تعلیم

دونوں کی کامل خوبیاں اس نظام میں نظر نہیں آتیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وقت کو مختصر کرنے کے بجائے اس کو توسیع دے دی گئی ہے۔ روایتی جامعات ومدارس کی خوبی یہ ہے کہ وہ ڈھالتے ہیں یعنی فیکٹری میں پرزے بنانے اور مشین بنانے کا عمل یہ مدارس انجام دیتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ پرزے اور مشین بنانے میں کوئی کمی اور نقص رہ جائے۔ لیکن بہرحال جو فیکٹری پرزے اور مشین بنا رہی ہے اس کا عمل بنیادی ہے اور جو اسے استعمال کر رہی ہے اس کا عمل ثانوی ہے۔ ایک اور پہلو سے اگر دیکھیں تو الجامعۃ الاسلامیۃ کا نصاب ونظام مدارس سے الگ نہیں بلکہ اصلا وہ مدرسہ والی تعلیم کا ہی مرکز ہے۔ پورا زور اسلامی تعلیم پر اور سائڈ میں جدید تعلیم پر، اور وہ بھی صرف آرٹ کے مضامین ہیں اور کسی حد تک انگریزی زبان۔ یہ تبدیلی تو نصابی سطح پر اور کچھ نتائج کی سطح پر بہت پہلے جامعۃ الفلاح میں ہو چکی ہے۔ ماحول سے بھی یہ بات سمجھ میں آئی کہ وہاں جو طلبہ داخلہ لیتے ہیں، ان میں جامعۃ الفلاح، مدرسۃ الاصلاح، جامعۃ الہدایۃ اور مہاراشٹر وکرناٹک کے اردو میڈیم میں پڑھنے والے طلبہ ہیں۔ عربی مدارس سے جو لوگ آئے ہیں ان کے لیے ڈگری کورس یا پی جی کورس میں داخلہ کا امکان ہوتا ہے۔ واجبی نوعیت کی اسکولی تعلیم اور کسی حد تک انگریزی زبان کا جاننا یا پھر مدرسہ سے فراغت یہاں کے نظام میں فٹ ہونے کے لیے کافی ہے۔ مدارس کی جو اہمیت علی گڑھ، جامعہ ملیہ اور ہمدرد یونیورسٹی میں ہے اور حتی کہ مخصوص فیلڈ میں ساری یونیورسٹیوں میں ہے وہ یہاں بھی نظر آئی۔

الجامعة الاسلامية شانتاپورم: کچھ اعترافی کلمات

(۱) الجامعۃ الاسلامیۃ کے اساتذہ کی بیشتر ٹیم عمر رسیدہ وبزرگ ماہرین کی نہیں بلکہ نوخیز اور جواں عزم افراد پر مشتمل ہے۔ سرگرمی اور عملیت کا جو مظہر وہاں دیکھا اس کی ایک وجہ یہ نوجوان ٹیم ہے۔ دیگر عملہ بھی تقریبا اسی نوعیت کا ہے۔ نئے اور پرعزم نوجوانوں کی اس ٹیم نے جامعہ کو بہت جلد ترقی کے اس درجہ تک پہنچا دیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ عملی کاموں میں نوجوانوں کی ایسی سرگرم شرکت خود اپنے آپ میں مزید ترقیوں کی ضمانت ہے۔

(۲) انکساری، سادگی، تواضع اور عملیت جو شائد کیرالا کے ماحول کا خاصہ ہے، وہ یہاں بھرپور نظر آیا۔ شاید جماعت اسلامی ہند اور ایس آئی او آف انڈیا کی فعالیت نے اس کو بلندیوں تک پہنچا دیا ہے۔ ہر فرد خواہ استاذ ہو یا طالب علم، ہم جس سے بھی ملے اس کے اندر یہ اوصاف دیکھنے کو ملے۔ ہم تو بس اس حیرت انگیز نظارے پر رشک کرتے رہے۔ مدیر الجامعہ، جامعہ کے اساتذہ اور ایک عام طالب علم سب

بے تکلف گھل مل کر بات کر رہے تھے، ان میں ذرا بھی کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا تھا۔ مدیر جامعہ سمیت تمام افراد اور طلبہ ایک ٹیبل پر کینٹین میں کھانا کھاتے، بالکل اسی طرح جیسے اللہ تعالی نے مسجد کے ذریعہ سے تھوڑے وقت کے لیے اس فرق کو مٹا دیا ہے۔ ہم شعوری طور پر بڑے مؤثر طریقہ سے ڈائننگ ٹیبل پر اس فرق کو مٹا سکتے ہیں۔ جس منظر کو دیکھنے کے لیے نگاہیں ترستی ہیں ایسے منظر ہم نے بار بار دیکھے۔

(۳) ہم اپنے تعلیمی نظام میں قول وعمل کے جس تضاد اور عجیب وغریب باتوں کے عادی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسکول انگلش میڈیم ہے اور طلبہ کو انگلش نہیں آتی اور مدرسہ عربی ہے اور طلبہ عربی زبان سے نا آشنا ہیں۔ کیرالا والوں کے بارے میں اور زیر تذکرہ الجامعۃ الاسلامیۃ کے تعلق سے یہ تصور محال ہے کہ جو وہ کہیں گے کریں گے نہیں۔ انگلش اور عربی میڈیم تعلیم کا مطلب یہ ہے کہ طلبہ کی خاصی تعداد اور بیشتر اساتذہ کو دونوں زبانیں بیک وقت آتی ہوں اور کسی ایک زبان میں خصوصی قدرت ومہارت حاصل ہو۔ پرنسپل، اساتذہ اور بیشتر طلبہ کو عربی یا انگلش میں بات چیت کرتے دیکھا۔ وجہ یہ ہے کہ عربی کا بھی وہاں عام سا رواج ہے اور انگلش کا بھی۔ فرق یہ ہے کہ اور جگہ کوئی شخص دعوی تو کر سکتا ہے لیکن عملاً اس کو کر کے دکھائے یہ ذرا مشکل ہے۔ وہاں تعلیم میں بھی اور ماحول میں بھی عربی اور انگلش زبان کا رواج ہے اس لیے تھوڑی بنیاد رکھنے والا عربی داں اور معمولی بنیاد رکھنے والا انگلش داں ان زبانوں کو اپنی اپنی تعلیمی اور علمی زندگی سے جوڑ سکتا ہے۔ لیکن علمی زبان خواہ عربی ہو یا انگلش اس کی ترقی کا مدار نصابی کتب اور پڑھنے پڑھانے کے ذوق پر ہے۔ یہ چیز نصاب و نظام میں بڑے مدارس میں اور اچھی یونیورسٹیوں میں بہر حال پہلے سے موجود ہے۔

(۴) ہمارا تصور علی گڑھ یا دوسرے کالجز کے تجربہ کی بنیاد پر یہ بن گیا ہے کہ مخلوط تعلیم کا مطلب ہے کہ ماحول میں ہر طرح کے میل جول کی آزادی ہو۔ لیکن اگر تعلیمی ادارہ میں اختلاط کا مطلب یہ ہو کہ عورتیں شرعی حدود کے اندر برقع میں ہوں (چہرے کے استثناء کے ساتھ)، نگاہیں نیچی ہوں، سائڈ سے اور کنارے کنارے ان کی آمد ورفت ہو رہی ہو، مردوں کا اور طلبہ کا حال یہ ہو کہ وہ بھی نگاہیں نیچی کیے ہوئے ہوں، ان کی تربیت اس ڈھنگ کی ہو کہ انہیں نظریں چار کرنا گوارا نہ ہو۔ کیا یہ بھی اس اختلاط ومیل جول کے مفہوم میں آئے گا جو غلط اور ممنوع ہے؟ مجھے ایسا لگتا ہے کہ ماحول ایسا ہو یا ایسا بنا دیا جائے تو بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے اور ضرورت کی شکلوں میں بھی عورت کو جس طرح نظر انداز کیا جا رہا ہے اس کا ازالہ آسان ہو جائے گا۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ عورت مرد کے جو اختلاطی ادارے اور جگہیں

فتنہ گاہ بنی ہوئی ہیں ان کے بالمقابل ایسے ادارے اور ایسی جگہیں قائم کی جائیں جہاں اختلاط ہو لیکن مذکورہ حدود کے اندر ہو، اس طرح یہ پاکیزہ نمونے یا یہ پاکیزہ طریقے اور بچ بچا کر رہنے اور جینے کے نمونے غلیظ اور ناپاک مخلوط معاشرہ کے مقابلہ میں مؤثر اور پاکیزہ ماڈل پیش کر سکتے ہیں۔ یورپ میں بعض ایمان لانے والی عورتوں کے تجرباتی تأثرات اور مسلم ممالک کے معاشرہ کو دیکھ کر ان کے اندر ایمانی احساسات کا جاگنا اسی بات کے شاہد ہیں۔ اب بات یوں ہے کہ زمانے کی ڈگر پر چلنے کا مطلب یہ ہوگا کہ مخلوط ناپاک معاشرہ کو جوں کا توں قبول کیا جائے۔ اس راہ کے ہموار کرنے والے بھی ہمارے یہاں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ لیکن مطلوب یہ نہیں کہ جس معاشرہ میں عورت و مرد کا وجود ایک ناگزیر ضرورت ہے، جس کو بازار میں، تعلیم گاہ میں اور مسجد میں ہر جگہ دیکھا جارہا ہے یا دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کو بالکلیہ ممنوع قرار دیا جائے۔ بلکہ جس طرح مسجد پاکیزہ جذبہ و حدود کے ساتھ سب کے لیے ہے اسی طرح پاکیزگی کے ساتھ اور شرعی حدود کا خیال رکھتے ہوئے تعلیم گاہیں بھی سب کے لیے ہیں۔ تصور واستدلال میں یہ بات درست ہوتے ہوئے بھی عملاً مشکل معلوم ہوتی ہے۔ الجامعۃ الاسلامیۃ میں آکر حدود کے اندر رہتے ہوئے یہ پاکیزہ اختلاط بڑا پرکشش معلوم ہوا۔ یہاں ہم نے کسی کو طالبات کی طرف دیکھتے یا کسی طالبہ کو طلبہ کی طرف تاکتے جھانکتے نہیں دیکھا، جس طرح خطبہ میں امام کی طرف دیکھنا خطبہ سننے اور سمجھنے کے لیے جواز کے دائرہ میں آتا ہے شائد اسی طرح استاذ کی طرف ہمہ تن مصروف ہو کر لیکچر سننا بھی مانا جائے گا۔ ان سب پر لیت ولعل اور قیل وقال سے گریز کر کے مفید مطلب بات تک پہنچنا چاہیے۔

(۵) شوافع کا مسلک یہاں رائج ہے لیکن تقلید اور عدم تقلید کی گرم بازاری نہیں ہے۔ اول وقت میں نماز ہوتی ہے، قرأت لمبی اور ترتیل وتجوید سے ہوتی ہے۔ نماز پڑھنے کا لطف ملتا ہے۔ ہر ایک وقت پر نماز پڑھنے پہنچتا ہے۔ لوگ سنن ونوافل کی پابندی کرتے ہیں۔ نماز سے پہلے اور بعد مسجد میں ایک عام روحانی ماحول رہتا ہے۔ نماز میں ٹوپی پہننے کا رواج نہیں ہے۔ نماز کے بعد اجتماعی دعا نہیں ہوتی لیکن امام اور مقتدی اذکار میں مشغول ہوتے ہیں۔ نماز سے پہلے اگر وقت ہوتا ہے تو طلبہ اور متقدیان تلاوت کلام پاک میں مصروف رہتے ہیں۔ نماز سے قبل و بعد سلام وکلام اور کسی طرح کی گفتگو مسجد میں نہیں ہوتی۔ فجر کے بعد بڑی تعداد میں طلبہ کو تلاوت قرآن کرتے ہوئے مسجد میں پایا۔

(۶) جس طرح لوگ ٹھنڈے مزاج اور انداز کے، سادہ اور متواضع تھے کچھ ماحول میں بھی اس کا اثر دیکھا۔ تعلیمی عمارتیں اپنے مقصد کے اعتبار سے کچھ کچھ عظمت وشان لیے ہوئے تھیں لیکن مسجد کی

عمارت آن بان اور شان سے عاری تھی۔ علامتی نوعیت کے چھوٹے منارے، طویل کمرہ نما مسجد کے گراؤنڈ فلور اور اس کے اوپر اسی طرح کے دو فلور طویل کمرے نما۔ سائڈ میں نکلنے کے لیے کئی چھوٹے چھوٹے دروازے تاکہ نکلنے والوں کو پیچھے پلٹنے کی ضرورت نہ ہو اور بآسانی سائڈ سے نکل جائیں۔

(۷) مصنوعی چمک دمک نہ ہونے کا یہ حال تھا کہ دن میں ہر طرف فطری حسن ہریالی اور پیڑ پودے نظر آرہے تھے۔ رات میں اتنی مدھم روشنی ہوتی کہ اندھیرے کو مغلوب نہ کردے۔ لائٹیں کہیں کہیں بالکل واجبی اور ضروری۔ رات کا حسن اندھیرا ہے، تاریکی اور تھما ماحول ہے۔ حسن کا یہ پہلو ہمارے یہاں کے بھونڈے اور بھدے ذوق سے الگ نظر آیا۔ ہمارے یہاں کے تناظر میں بڑی تکلیف دہ بات یہ ہے کہ مسجدیں تک اس بھونڈے اور بھدے پن کا بہت زیادہ شکار ہیں۔ نفاست، حسن اور سادگی انتہائی اعلی ذوق رکھنے والوں میں ہوتی ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ کیرالا کے رہنے والے، وہاں کے عام ادارے اور اسلامی ادارے اس سادہ، نفیس اور حسین تہذیب وثقافت کے نمائندے ہیں۔ صرف اپنی بڑائی میں جینا، اپنی بھونڈی اور بھدی چیزوں کو عظیم الشان بتانا کوئی خوبی کی بات نہیں ہے۔

(۸) وہاں صفائی کا معیار ہمارے حدِ تصور سے بالا ہے۔ اگر ہم کچھ مشابہت دے سکتے ہیں تو یوں کہ ہم نے ایسا محسوس کیا کہ ہر کمرہ، ہر گیلری، ہر دالان اور ہر اندرونی لان پاک صاف جیسے ہمارے یہاں کی کوئی مسجد ہو۔ مسجد بھی وہ جہاں معیاری صفائی کا لحاظ رکھا جاتا ہو۔ وہاں چپل پہن کر نہ آفس جا سکتے ہیں، نہ کسی کمرے میں حتی کہ نہ ہی کسی گیلری میں۔ ہمارے یہاں اعلی معیار کے ہاسپٹل بھی وہاں موجود ایک عام جگہ کی صفائی کے معیار کو دیکھ کر شرما جائیں۔ جب اینٹ پتھر کو لوگ اس طرح صاف رکھتے ہوں اور ماحول کو غیر فطری آلودگی، ناروا طور طریق اور مصنوعیت سے اس طرح بچاتے ہوں تو یقیناً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے دل بھی ایسے ہی ہوں گے۔ ایسے ہی دل ان اعلی انسانی اوصاف کا محمل ہو سکتے ہیں جن میں سادگی کا حسن ہو، پاکیزہ نفسی ہو، کوئی کسی کو گالی نہ دیتا ہو، کوئی کسی کے لیے دل میں کدورت نہ رکھتا ہو، ہر ایک دوسرے سے محبت کرتا ہو اور محبت واپنائیت سے ملتا ہو۔ اندر جب اتناسب کچھ ہو تب ہی تھوڑا کچھ ظاہر ہوتا ہے۔

جامعہ دارا لسلام عمر آباد کا سفر

10 جون کو صبح فجر کے بعد الجامعۃ الاسلامیۃ شانتاپرم سے رخصت ہوئے۔ شورنور سے تقریباً 10 بجے روانہ ہو کر عین مغرب کی اذان کے وقت جامعہ دارالسلام عمر آباد کے گیٹ پر اترے۔ جامعہ کی کشادہ

اور بغیر ستونوں کی بنی مسجد میں نماز مغرب ادا کی۔ جامعہ کے گیٹ میں داخل ہوکر ہلکے اجالے اور نیم اندھیرے میں جو کچھ دیکھا وہ سادہ اور کشادہ لان، بیچ میں سلیقہ سے بنی راہ داریاں، سادگی کا حسین نظارہ، ہر طرف لہلہاتے درخت۔ جامعہ کا احاطہ اپنی کشادگی، سلیقہ مندی اور سادگی کی حسین آمیزش سے دل و جاں کو راحت و مسرت سے نوازرہا تھا۔ احساس ہوا کہ ہمارے یہ بڑے مدارس سلیقہ مندی اور ظاہری حسن میں بھی کسی جدید ادارے سے کم نہیں۔ حقیقی سادگی اور باطنی نفاست میں تو کوئی ان کے مقابل نہیں۔

مسجد میں طلبہ کی بہت بڑی تعداد نماز ادا کر رہی تھی۔ سب کے سر پر ٹوپیاں اور علماء کا روایتی لباس تھا۔ الجامعۃ الاسلامیۃ شانتا پرم کا ماحول ذرا الگ تھا۔ سر پر ٹوپی نہیں تھی اور لباس میں بھی کوئی امتیاز نہیں تھا۔ جہاں اپنی جگہ پر یہ بات بھی اہم معلوم ہوتی ہے کہ وہ روایتی پابندیاں جو اب معاشرہ سے اور گھروں سے اٹھ گئی ہیں اس کو باقی رکھنے کی کوشش کرنا یعنی کچھ علامتی چیزوں پر زور دینا کچھ بے معنی سا معلوم ہوتا ہے۔ بنیادی اور حقیقی چیزوں پر زور تو دیا جانا چاہیے لیکن اس طرح کی علامتی چیزوں کو اپنی مرضی پر چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ سوچ ایک طرح سے کچھ معقول معلوم ہوتی ہے۔ عملی تضاد سے بچنا درست ہے اور بے جا پابندیوں سے نکلنا بھی کچھ غیر فطری نہیں ہے۔ شانتا پرم میں طلبہ کو نماز میں والہانہ طور پر شریک، تلاوت قرآن کا عادی اور علم دین کا شائق پایا۔ یہی تو حقیقی اور بنیادی نوعیت کی چیزیں ہیں۔ لیکن ایک دوسری سوچ کیا بالکل بے بنیاد ہے؟ آج بھی علماء سے معاشرہ جو توقع کررہا ہے اسے کیوں ہم اپنے وجود سے الگ کردیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایتیں آج بھی ہر ایک اپناتا ہے تو ہم ان روایتوں کے حامل کیوں نہ بنے رہیں؟ ہمارا اپنی روایتوں کا وارث بنے رہنا کیا اس سے بھی زیادہ کم وقعت رکھتا ہے جو آج عموماً ہر ایک اپناتا ہے۔ یہ سوچ بھی کچھ بے وزن نہیں۔ آج بھی علماء کا اس پر عمل ہے۔ ایسی جمی روایتوں کو اپنے ہاتھوں سے اکھاڑ پھینکنا عقل و ہوش کا تقاضا نہیں۔ روایتوں اور علامتوں سے جو شناخت ہوتی ہے اس میں تعارف کا ایک مرحلہ طے ہوجاتا ہے۔ اس اعتماد و تعارف پر کام کے اگلے مراحل آسان ہوجاتے ہیں۔ ورنہ رد و کد اور اعتماد و عدم اعتماد کی غیر ضروری بحثیں آدمی کو کام کا نہیں رکھتیں۔ اس میں زیادہ نقصان ان کا ہوتا ہے جنہیں معاشرہ میں کچھ بنیادی کام کرنا ہوتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دیوبند ہو کہ ندوۃ، فلاح ہو کہ جامعہ سلفیہ اور جامعہ دارالسلام۔ ہر جگہ یہ روایتیں اور قدریں مشترک ہیں۔

مذکورہ دونوں باتوں کو اپنے صحیح تناظر کے ساتھ میں نے لکھ دیا ہے۔ لیکن ہم نے اپنا (یعنی جامعۃ

الحکمۃ بھوپال کا) رویہ شروع سے کچھ الگ بنایا ہے۔ ہمارے پاس ہاسٹل کا بندش والا نظم نہیں ہے۔ اسکول کے نظام ونصاب کو بھی تقریباً ہم نے نافذ کیا ہے۔ شہری بچے ہی ہمارے نظام کی طرف راغب ہیں۔ اس لیے تربیت کا نام لے کر روایتوں کا حوالہ ایک جبری چیز بن جائے گی۔ یہ ہمارے تصور میں کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ البتہ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اساتذہ جو طلبہ کے معلم ومربی ہیں وہ اپنے عمل سے باطنی وظاہری کردار دکھائیں اور طلبہ پر اثر انداز ہوں۔ اب اگر یہ ظاہری روایتیں بھی لوگ اختیار کریں اور اساتذہ کی اقتدا بھی کریں تو یہ مطلوب ہے۔ ہاں جو لوگ ہمارے خاص تربیتی نظام سے باقاعدہ وابستہ ہوں وہ جب اصلاح ودعوت کے عمل کو انجام دیں یا درس وتدریس اور تقریر وتفہیم کے مواقع پائیں تو لازما انہی روایتوں کو اپنائیں۔ یہی شاید ہمارے لیے ممکن ہے اور اسی پر ہم عامل ہیں۔ اگر اس ذریعہ سے ہماری یہ روایتیں ہمارے زیر تربیت نسل میں منتقل ہوں تو ہم اپنے آپ کو اس کا مکلف مانتے ہیں۔ گویا ہم اس کے افادیت والے پہلو کے معترف ہیں۔ اگر اسی کو ہم موجودہ وقت کا توازن واعتدال کہیں تو شاید مناسب ہے۔ رواتیں قیمتی جب ہی ہیں جب ان کے اندر جبری پہلو نہ ہو بلکہ یہ اختیاری اور شعوری ہوں۔ ان روایتوں کی نہ بے جا تحقیر وتنقیص کی ضرورت ہے اور نہ ہی یہ ایسی ضروری ہیں کہ ان پر جبر واکراہ کی دھار چلائی جائے۔

ہمارے پاس جامعہ دارالسلام میں قیام کے لیے وقت کم تھا اس لیے ہم نے سوچا کہ کچھ ضروری باتیں یہاں کے اساتذہ سے ہوں۔ راہ اعتدال کے نائب مدیر نے اپنے آفس میں بٹھایا اور دعوتی کاموں کے ایک ذمہ دار استاذ سے ہماری ملاقات کرائی۔ انہوں نے بتایا کہ دعوتی کام کا خاکہ جامعہ کے اہم منصوبوں میں بہت پہلے سے چلا آرہا ہے۔ غالباً ستر کے دہے سے یہ کام منظم طور پر چلتا رہا ہے۔ بیچ میں پریشان کن حالات کی وجہ سے کچھ رکاوٹ بھی رہی۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا ایک سالہ دعوۃ ٹریننگ کا نظم قدیم میں بھی تھا اور ابھی بھی دعوۃ ٹریننگ کے نام سے تین مہینہ کا ایک کورس فارغین جامعات کا یہاں ہوتا ہے جس میں عملی اور نظری دونوں طرح کے کام ہوتے ہیں۔ اس دعوۃ ٹریننگ کورس کے ساتھ جو اصلا دعاۃ بنانے کا پروگرام ہے۔ ایک اور اسی سے ملحق نومسلموں کی تعلیم وتربیت کا اسپیشل نظام ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد کام ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کو اپنے انجام تک پہنچانے کے لیے اس طرح کے نومسلموں کا خصوصی پروگرام بہت مفید ہوتا ہے۔ یہ دونوں دعوتی نوعیت کی چیزیں قدیم سے جامعہ دارالسلام کے نظام کا حصہ ہیں۔ دعوتی پروگراموں کی یہ نوعیت شاید کسی دوسرے ادارے میں اتنے

منصوبہ بند طریقے سے اور اتنے اہتمام سے جاری نہیں رہی۔ ویسے اب یہ روایات دیگر اداروں کا بھی مستقل حصہ بن رہی ہیں۔ جو ادارے دینی تعلیم وتربیت کے مراکز ہیں وہاں یہ سب کچھ ہوتا ہے اور اگر کسی وقت نہ ہو رہا ہو تو آئندہ ممکن ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی درخت اپنی آب وتاب اور بھرپور برگ وبار کے ساتھ اُگتا ہے تو کئی سایہ دار شاخیں اس سے وجود میں آتی ہیں۔ دینی مدارس کا بھی یہی حال ہے۔ دینی مدارس کی پود تزکیہ نفوس، اصلاح امت، دعوت انسانیت اور ہمدردی خلائق کے لیے لگائی گئی ہے تو کیوں نہ ایسے ثمر بار درخت میں وہ سب کچھ اُگ آئے جو مطلوب ہے۔

جامعہ دارالسلام میں پڑھنے لکھنے کے نظام میں سختی اور نگرانی کا دخل زیادہ معلوم ہوا۔ نظام اور ڈسپلین میں بھی کافی فرق معلوم ہوا۔

بتایا گیا کہ یہاں تین کاموں کو شعوراً الگ الگ کیا گیا ہے:

(۱) ایڈمنسٹریشن بالکل الگ ہے۔

(۲) تعلیم کو اس سے الگ کیا گیا ہے۔

(۳) اسی طرح تربیت کو بھی الگ کر کے اس کو زیادہ اہم بنایا گیا ہے۔

تربیت میں فکر وشعور کے ساتھ اخلاقی تربیت پر بھی بہت زور دیا جاتا ہے۔ فجر بعد ایک استاذ نے چند منٹ نماز کی اہمیت پر تقریر کی اور پابندی سے نماز پڑھنے کا تاکیدی حکم دیا اور نماز میں تساہل برتنے پر تنبیہ فرمائی۔ یہ دیکھنے میں آیا کہ فجر بعد طلبہ کے لیے تلاوت قرآن کی حکماً پابندی کرائی جاتی ہے۔ سارے طلبہ بعد نماز فجر مسجد کے اندر تلاوت کرتے نظر آئے۔ نماز میں تلاوت قرآن اور مسجد میں نماز کا ماحول الجامعۃ الاسلامیۃ شانتاپرم کا زیادہ پرکشش لگا۔

جامعہ دارالسلام میں نماز کی تلاوت میں وہ لذت نہیں تھی کیونکہ فضیلت کے طلبہ نماز میں مشق تلاوت کر رہے تھے۔ صف بندی میں چھوٹے بڑے کی ترتیب کا خیال نہیں رکھا جا رہا تھا۔ البتہ نماز کے بعد یہاں بھی اجتماعی دعا کا رواج نہیں تھا۔ کافی دیر تک طلبہ بیٹھے رہتے اور ایک دوسرے کا منہ تکتے۔ ایسا لگتا کہ کچھ اذکار دوہرا رہے ہوں گے لیکن جب کوئی اٹھتا تو پھر دھیرے دھیرے سب اٹھنے لگتے۔ ایک فرق اور یہ محسوس ہوا کہ اساتذہ شانتاپرم میں مسجد میں اور ڈائننگ ہال میں طلبہ کے ساتھ صف بہ صف موجود ہوتے اور ہر وقت بے تکلفی سے گفتگو کرتے نظر آتے۔ اگر یہ سب کچھ مزاجاً اور یوں ہی رہا ہو تو بھی تقریری اور پابند تربیت والی زندگی سے زیادہ پرکشش اور خود تربیت میں زیادہ معاون معلوم ہوا۔

جامعہ دارالسلام میں اساتذہ مسجد میں بھی ندارد تھے اور ڈائننگ ٹیبل پر بھی موجود نہ تھے۔ وجہ شاید یہ تھی کہ اساتذہ کے کوارٹرس کیمپس سے باہر تھے۔ بتایا گیا کہ دوپہر میں اساتذہ جامعہ میں کھانا کھاتے ہیں لیکن ان کے لیے علیحدہ انتظام ہے۔ بہر حال شانتاپرم والا پرکشش ماحول یہاں نہیں دیکھنے کو ملا۔ تربیت کی تقریر تو سنی لیکن تربیت کے لیے جس علمی صحبت اور اساتذہ کے ساتھ باہمی میل جول کی ضرورت ہے وہ یہاں مفقود نظر آئی۔ دعوے ہیں، روایتیں ہیں تعلیم کا مستحکم اور جما ہوا نظام ہے۔ کہنا بس یہ ہے کہ ہر جگہ بہت کچھ دیکھا۔ کچھ زیادہ اچھا یہاں دیکھا اور کچھ زیادہ اچھا وہاں دیکھا۔ برا کہیں کچھ نہیں دیکھا۔ برا دِکھتا کیوں؟ برا دیکھنے گئے بھی کب تھے؟ اپنا آئینہ دیکھا۔ اپنا قد بہت چھوٹا نظر آیا۔ مجموعی کمالات میں سب سے چھوٹے تو ہم نظر آئے۔ ہاں مجموعی طور پر شاید جامعہ دارالسلام عمرآباد کچھ فزوں نظر آیا اور الجامعہ الاسلامیہ شانتاپرم ابھی ترقی کے مراحل طے کر رہا ہے۔ مجموعی طور پر اس کے حق میں بہتری کا فیصلہ دینا ابھی قبل از وقت ہے۔

تھوڑی سی گفتگو کھانے کی ویرائٹی اور اس کی سہولیات پر بھی کی جائے گی، دونوں جگہوں کے فرق کے ساتھ۔ شانتاپرم میں بھی کھانا اصلاً چاول تھا جیسا کہ جامعہ دارالسلام میں ہے۔ شانتاپرم میں ایک دن ناشتہ میں روٹی ملی۔ کہا یہ گیا کہ ہندی بیلٹ کے لوگوں کے لیے کوشش ہو رہی ہے کہ روٹی کا بھی کسی حد تک بندوبست کیا جائے۔ گیہوں اور آٹا وہاں بظاہر دستیاب نہیں ہے۔ آٹا گوندھنا اور روٹی پکانا ان کے لیے بہت مشکل مسئلہ ہے۔ پھر بھی بتایا گیا کہ ایک بڑی چکی خریدی گئی، آٹا پسا، روٹیاں پکیں، لیکن تجربہ ناکام رہا۔ کیونکہ نئے انتظام میں متعدد دشواریاں ہوتی ہیں۔ البتہ شانتاپرم میں کھانے میں ویرائٹی اور تنوع کا کافی خیال رکھا جاتا ہے۔ کھانا بار بار بدل کر دیا جاتا ہے تاکہ سب کی رعایت ہو۔ ایک وقت کے کھانے میں بھی کئی ویرائٹی شامل رہتی ہے۔ ان کا مزاج یہ معلوم ہوا کہ دوسروں کی رعایت کرنا اور ان کو سہولت فراہم کرنا ضروری ہے۔ اگر منتظمین اپنے ادارے میں آئے ہوئے اپنے بچوں کے بارے میں خیال رکھتے ہیں کہ وہ مہمان ہیں اور ان کی پسند کا خیال رکھا جاتا ہے تو یہ اعلی درجہ کا اخلاق ہے۔ شاید ان کے پاس وسائل بھی کچھ زیادہ ہوں گے۔ کینٹین و ڈائننگ ہال کا نظام اچھا تھا۔ نظام کی اصلاح و درستی کے لیے منتظمین کی ذمہ داری اور ان کی اہلیت کا جتنا دخل ہوتا ہے تقریباً اتنی ہی اہمیت اس بات کی ہوتی ہے کہ اعلی منتظمین اور اوپر کے لوگ بھی بنفس نفیس اس میں شریک ہیں۔ جس کھانے کے نظام میں مدیر، عملے کے سارے لوگ اور اساتذہ ایک جگہ پر موجود ہوں وہاں نظام میں کسی گڑبڑی کے امکانات تقریباً

معدوم ہو جاتے ہیں۔لوگ جانتے نہیں کہ مسائل کے حل کی کلید کیا ہے؟ایک عمل میں کتنے اسباق پنہاں ہیں۔کاش کوئی تو ہو جوان حقائق کی تقلید کا خواہاں ہو۔جامعہ دارالسلام عمرآباد میں بھی کھانا اصلاً چاول ہے۔سادہ دال اور سبزی وغیرہ کے ساتھ۔اس میں ورائٹی زیادہ نہیں اور شاید نہ کسی کو سہولیات دینے کا خیال۔تصور یہ ہے کہ لوگ کھانے نہیں آئے ہیں پڑھنے آئے ہیں۔تصور تو یہ بالکل برحق ہے لیکن اصلاً یہ تربیت کا عنوان ہے،مزاج بنانے کا عنوان ہے،تقریر کا عنوان ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ والدین کے سمجھنے اور سمجھانے کا معاملہ۔یا ہم کہہ سکتے ہیں کہ طالب علم کی نسبت سے سوچنے اور سوچوانے کا معاملہ ہے۔اس کا تعلق منتظمین اور انتظام سے نہیں ہے۔ان کا عنوان تو یہ ہونا چاہیے کہ ہر طرح کے طلبہ کو صرف کھانا کھلا دینا نہیں ہے بلکہ سہولت فراہم کر کے کھلانا ہے۔اس میں اصول ضیافت والا چلے گا۔مہمان طالب نہ ہو کہ میری مہمانی اس نوعیت کی ہو لیکن میزبان خواہاں ہو کہ میں وہ کروں جو مہمان کے شایان شان ہو۔شاید یہاں فرق وسائل کے نہ ہونے کا بھی ہوگا۔معاملہ جو بھی ہو بہرحال فرق اصلاً سوچ سے اور کچھ وسائل کی قلت و کثرت سے بھی متعلق ہے۔ایک بات اور دیکھی کہ جامعہ دارالسلام عمرآباد میں طالب علم اپنی پلیٹ ساتھ لاتے ہیں اور دھوکر ساتھ لے جاتے ہیں۔یہ چیز ذرا بڑھ کر کچھ مدارس میں اور بھونڈی ہوگئی ہے کہ کھانا بھی اپنی پلیٹ میں لائن میں لگ کر لو۔یہ میزبان کا رشتہ نہ ہوا بلکہ جیل کے عملے اور قیدیوں کا سا معاملہ ہو گیا۔بہرحال ڈائننگ ٹیبل پر سب لوگ سکون سے کھانا کھا رہے تھے۔

ایک بات اور دونوں جگہ بہت اچھی لگی،وہ یہ کہ دونوں مقام پر مسلکی شدت نہیں ہے۔شانتا پرم میں تو معاملہ یہ ہے کہ وہ مسلکاً شوافع ہیں۔شوافع اور احناف کے اختلاف کا تعلق اس اصلی بحث سے نہیں ہے کہ ہر جگہ تقلید اور عدم تقلید کا معاملہ آن پڑے۔دونوں مسلک میں اصولاً یہ بات طے ہے کہ مسلکی تقلید جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔اس بنیادی رائے میں توافق نے جھگڑے کے آدھے مسئلہ کو تو حل کر دیا ہے۔اب کون عقلمند ہوگا جو اس کو ترجیح اور تعبیر نصوص سے آگے بڑھا کر کہیں اور لے جائے گا۔سب کے پاس نصوص موجود ہیں اب مسئلہ ترجیح اور تعبیر نصوص کا ہے۔یہ معاملہ بھی ہر ایک سے متعلق نہیں ہے۔اس لیے بات اور آسان ہے کہ اب صرف ترجیح باقی رہ جاتی ہے۔عام آدمی تقلید کرے اور اہل علم یا اساتذہ ترجیح بیان کر دیں۔اس صورت میں مباحث کوئی دوسرا رنگ اختیار نہیں کریں گے۔اس لیے نہ یہاں وہ شدت دیکھی اور نہ اس کا امکان ہے۔اہل حدیث اس مسئلہ کو اصولی بنا کر مناظرے یا شدت کا موضوع بنا لیتے ہیں اور اصرار ہوتا ہے کہ اس مبنی برحق راہ پر چلنا اور چلانا ضروری ہے۔

جامعہ دارالسلام عمرآباد کا رجحان اہل حدیث کی طرف ہے۔اس تاریخی روح کو اپنے یہاں کارفرما رکھتے ہوئے یہ بات حیرت انگیز ہے کہ انہوں نے علماء سلف کا صحیح رخ اختیار کیا ہے۔انحراف اور شدت کے رجحانات کو شعوری طور پر کم کیا ہے۔شعوری طور پر فقہی معاملات کو اصولی نہیں بلکہ فروعی مانا اور اس کو ترجیح اور تعبیر نصوص کا مسئلہ سمجھا۔سلف میں جو اختلافات ہیں وہ صحابہ و تابعین کے دور سے ہیں۔علماء امت میں یہی توارث اور تعامل موجود ہے۔اب سلف کے مسلک کو اختیار کرنے کا مطلب یہی ہے کہ اس کو اسی حد پر رکھا جائے۔نصوص کو سمجھنے اور ان میں سے بعض کو راجح اور بعض کو مرجوح قرار دینے کا عمل آج کا نہیں ہے بلکہ سلف سے چلا آرہا ہے۔اس منہج فکر کے بعد مسلکی شدت اور جھگڑوں کے پنپنے کا امکان کم ہو جاتا ہے۔لوگ جانتے نہیں کہ شدت اور جھگڑے کی جڑ ہماری اپنی سوچ اور خاص نہج وفکر میں ہوتی ہے۔اگر اس کی وہاں اصلاح ہو جائے تو ظاہر میں آراء اور تعبیرات ہوں گی بھی تو اپنے حدود کے اندر رہوں گی۔ایسی آراء اور تعبیرات امت کے لیے مضر نہیں بلکہ مفید ہی ہیں۔جامعہ دارالسلام نے اس نہج وفکر کو تدریس میں بھی اور انتظام میں بھی شعوراً شامل کیا ہے۔وہاں اساتذہ اور ذمہ داران کے لیے کسی راجح مسلک کا پیرو ہونا ضروری نہیں ہے۔معلوم تو یہ بھی ہوا کہ اس مدرسہ میں کوشش کر کے ایسے افراد کو ذمہ داریاں سونپی جاتی ہیں جو الگ الگ نہج فکر رکھتے ہوں۔شدت پسندی کی شکلوں کو شعوری طور پر ختم کیا جانا بہت ضروری ہے۔مجھے ایسا لگتا ہے کہ موجودہ حالات میں اس طرح کی چیزوں کو اپنی حد میں رکھنے کے لیے جس شعوری کوشش کی ضرورت ہے وہ اسی نوعیت کی ہونی چاہیے۔

صفائی کے تعلق سے شانتاپرم کا تذکرہ اوپر گزرا۔شانتاپرم میں جو طلبہ اردو علاقوں سے آئے تھے ان کے کمرے چھوٹے اور شاید پرانی عمارتوں میں تھے۔لیکن نئے ہاسٹلس اور گرلس ہاسٹل کی عمارتیں کشادہ اور اچھی تھیں۔عمرآباد میں بچے متوسط فیملیز کے تھے بلکہ بعض تو کچھ زیادہ کمزور گھرانوں کے نظر آئے۔غربت کے ساتھ سلیقہ مندی دیکھنے کو ملی۔ہاسٹل کے کمرے بھی کشادہ اور اچھے تھے۔ایک روم میں تقریباً 12 بیڈ تھے صفائی کا نظام اندر اور باہر کا کافی معقول تھا۔بچے ہر طرح کے تھے لیکن سلیقہ مند اور ڈسپلن کے پابند تھے۔صبح کلاسیز کے وقت اور نماز کے اوقات میں بچوں کا ڈسپلن ظاہر ہو رہا تھا۔شاید یہی دو مواقع ہیں اس اعتبار سے بچوں کو جانچنے کے۔ہم بھی بچوں کو یہ بات سمجھائیں کہ جو بچہ نماز کی شرائط کی پابندی کرتا ہے اور پڑھائی سلیقہ اور نظم و ڈسپلن کے ساتھ کرتا ہے وہ اس کے سارے فائدے آئندہ زندگی میں حاصل کرے گا۔

شانتاپرم میں تدریس کا وقت 7:30 سے 1 بجے تک ہے۔اس میں ناشتہ کے لیے آدھا گھنٹہ بریک کا ہوتا ہے۔عمرآباد میں تعلیم کا وقت صبح 8:15 سے شروع ہوکر 30 :12 پر بریک ہوتا ہے، دوبارہ 2 بجے سے 4:15 تک تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔شانتاپرم میں 10th کرنے کے بعد دو سالہ تمہیدی کورس ہے۔4 سالہ ڈگری کورس ہے اور 2 سالہ PG کورس ہے۔ یہ کورس اصلا اسلامی مضامین سے متعلق ہیں۔اس اعتبار سے یہ ایک محدودنوعیت کی یونیورسٹی ہے۔اس کی بنیاد مدارس اور نیچے لیول کے اسکول ہیں۔بعض بڑے مدارس بھی اس یونیورسٹی میں چل رہے کورسیز کو اپنے اداروں میں چلاتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی اپنے مطلوب اسکول، کالجز اور یونیورسٹیاں محض تصور وخیال میں ہی ہیں۔اس لیے عملی بات یہی ہے کہ موجودعصری سسٹم کو قبول کرتے ہوئے کسی طرح اپنی محدود دینی اور اسلامی ضروریات کو پورا کیا جائے۔اس صورت حال میں الگ جزیرہ بنانے کا امکان ہے نہ افادیت۔کیونکہ دینی واسلامی ضرورتوں کی تکمیل نیچے کے مکمل اسکولی ومدرسی نظام کی بنیاد پر ہی ہوگی۔

الجامعۃ الاسلامیۃ میں پلاننگ کی اس نوعیت کی کمی کی وجہ سے اسکول اور مدرسہ کے دودھارے اگر ایک جگہ جمع ہوں تو دونوں کا کسی نہ کسی طرح کا نقصان ہے۔بالکل اسی طرح کہ اسکول کی تعلیم والا 10th کے بعد نیا روٹ اختیار کرتا ہے۔مدرسہ کی تعلیم والا اپنی مضبوط بنیاد لے کر نیچے کے اسٹینڈرڈ سے اپنی تعلیم شروع کرتا ہے۔عمرآباد کے نظام میں 3 سالہ کورس ثانویہ کا ہے۔یعنی 6th سے لے کر 8th تک اور 3 سالہ عالمیت کا کورس ہے۔9th سے لے کر 11th تک اور مزید 2 سالہ فضیلت کا کورس ہے۔انہوں نے اپنے یہاں کے نظام کو اردو میڈیم گورنمنٹ اسکول سے جوڑا ہے۔ایک اسپیشل کورس وہاں اور موجود ہے جس میں 10th کرنے کے بعد داخلہ ہوتا ہے۔اس کورس کو اعدادی کورس کہا جاتا ہے۔یہ 5 سالہ کورس ہے جس میں بڑی محنت سے ثانویہ، عالمیت اور فضیلت کا کورس کرایا جاتا ہے۔ یہاں کا نصاب کافی مناسب اور معتدل ہے۔آج وقت کی اہمیت بہت ہے۔جامعۃ الفلاح اور جامعہ دار السلام کے نصاب میں وقت کی بچت بہت خاص چیز ہے۔ندوۃ العلماء میں 10 سالہ عالمیت اور 2 سالہ فضیلت کا کورس ہے۔جامعۃ الفلاح میں 6 سالہ عالمیت اور 2 سالہ فضیلت ہے۔سب سے لمبا کورس ندوۃ العلماء کا ہے، اس سے مختصر الجامعۃ الاسلامیۃ اور سب سے مختصر جامعہ دارالسلام اور جامعۃ الفلاح کا ہے۔

کیا خطا میری تھی

برھان بن غفران فتح محمد ،نئی دہلی

چاند کی روشنی بھی اب مدھم پڑنے لگی تھی، ہوا کے جھونکے اپنے ساتھ بادل بھی لائے تھے،لوگ اپنے اپنے گھروں میں دبک چکے تھے،کسی گھر سے بچے کے رونے کی آواز یا کسی بوڑھے کے کھانسنے کی آواز چاروں طرف پھیلی خاموشی کو چندلمحوں کے لیے چھیڑتے ہوئے اندھیرے میں گم ہو جاتی ہے،لیکن یہ اندھیرا اتنا بھی تنہا نہیں تھا،اس اندھیرے میں کوئی جوان باپ، بوڑھا دادا یا کوئی تیز رفتار چلتا ہوا آدم کا بیٹا' آبادی سے باہر صحرا یا جنگل کا رخ کر رہا ہوتا ہے۔اپنی بغل میں ایک معصوم جان لیے،الجھن میں مبتلا اور پھولتی ہوئی سانس کے ساتھ، وہ اب آبادی سے باہر ہی جاکر رکتا ہے۔وہ زمین کھودنے میں ایسا مشغول ہو جاتا ہے جیسے کوئی چیز چھپانا چاہتا ہو۔قربانی کے اوجھ کو اگر کسی گڑھے میں ڈالنا ہو تو بھی ہم اتنی تیزی نہیں دکھاتے جتنی تیزی اس اندھیرے کا سایہ دکھاتا ہے۔شاید اس کے پاس اس سے بھی زیادہ متعفن یا سڑی گلی چیز ہو جس کی بدبو سے وہ بچنا چاہتا ہو،لیکن اس کی بغل سے آنے والی آواز تو بڑی معصوم سی ہے،اس کی آنکھوں میں تو جگنو کی چمک ہے جو اپنے ظالم اور بے رحم ماحول سے سہمی ہوئی ہے، یہ اس سائے کی نومولود یا کم سن بچی ہے جس کو وہ زندہ دفن کرنے آیا ہے، کہ کہیں ایک لڑکی کا باپ، دادا یا بھائی بننے کا کلنک اس کی پیشانی پر نہ لگ جائے،سماج میں وہ کمزور نہ پڑ جائے...شب صبح میں اور دن رات میں تبدیل ہوتے رہیں' ارتقاء کی منازل طے کرتا انسان اس اندھیرے سے نکل کر آج کے مہذب اور ترقی یافتہ سماج میں قیام کرنے لگا...گائینوکولوجسٹ، خاتون ڈاکٹر کے روم میں کوئی سرگوشی کر رہا تھا،کسی راز سے گویا کہ ڈاکٹر کو باخبر کیا جا رہا ہو، دروازے پر ایک قطار اپنی باری کی منتظر تھی، دروازہ کھلا، ایک خاتون پرچی تھامے باہر نکلی، سسٹر نے اسے آناً فاناً او ٹی پہنچا دیا۔سورج ڈھلنے سے پہلے وہ اپنے شوہر کے ہمراہ خالی ہاتھ نکل رہی تھی، تیز قدموں سے وہ گاڑی تک پہنچے، گاڑی ہاسپٹل کے احاطے

سے نکل کر سڑک پر دوڑ نے لگی.. کسی نے نہ دیکھا، اوٹی سے خاتون نکلی تو بڑی پرسکون تھی، شوہر جو ویٹنگ روم میں حقوق نسواں، خواتین کی آزادی، لڑکیوں کی تعلیم پر لیکچر دینے میں مصروف تھا لپک کر اس تک جا پہنچا تھا اور بیوی کی مسکراہٹ دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی تھی، جیسے کسی بڑی مصیبت سے نجات مل گئی ہو، یا کینسر جیسے خبیث مرض سے شفایابی کی بشارت ملی ہو..لیکن کسی کو کانوں کان یہ خبر نہ ہوئی، یا پھر سمجھ سب رہے تھے بولتا کوئی نہ تھا، ایک معصوم سے دنیا میں قدم رکھنے کا حق چھین لیا گیا تھا، ابھی تو اس کا وجود بھی مکمل نہ ہوسکا تھا، کہ اس مہذب جوڑے کی نیند حرام ہوگئی تھی، اور آج اس معصوم کلی کو کھلنے سے پہلے ہی مسل کر سکون کی سانس لی تھی..وہ معصوم، بے نام، منی تنہا نہ تھی جس کی روح فرشتے ڈولی میں سجائے آسماں کی طرف بڑھ رہے تھے، کوئی قاتل اپنی کم آمدنی کا سور اَلاپ رہا تھا، تو کوئی امیر زادہ اپنی مصروفیت میں خلل برداشت نہیں کرنا چاہ رہا تھا، کوئی ابھی باپ بننا قبل از وقت گردان رہا تھا، تو کوئی خود کو ابھی کم عمر سمجھ رہی تھی، ابھی تو سیر و تفریح کی ایک فہرست باقی تھی، تو کسی کے پاس پہلے ہی بچوں کی ایک تعداد موجود تھی، ایسے تو بہت تھے جو لڑکے کے منتظر تھے، بیٹی بن بلائی مہمان ہوتی اس لیے دنیا کے دروازے ہی اس پر بند کردیے گئے..ان معصوموں کے قاتلوں کو اب اندھیرے کا انتظار بھی نہیں کرنا پڑتا کیونکہ اس روشن دور کی تاب نہ لا کر وہ اندھیرا انسانوں کے دلوں میں آباد ہوگیا ہے اور اب یہ اپ ٹو ڈیٹ سماج اسے قتل مانتا ہی نہیں! فرشتے بھی ان معصوموں کو لے جاتے ہوئے اداس نہ تھے، کیونکہ اگر معصوم پری دنیا میں قدم رکھتی بھی تو اس کے رشتے داروں کے چہرے مرجھا جاتے، بناوٹی مسکراہٹ ہونٹوں پر ہوتی، نہ چاہتے ہوئے ہاتھ اس تک پہنچتے، کہیں کہیں تو ستم بالائے ستم اس کی ماں کو مزید پریشانیوں میں جھونک دیا جاتا۔

البتہ وہ معصوم سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے کس جرم میں قتل کردیا گیا، ابھی تو میرا وجود بھی نامکمل تھا، ابھی تو دنیا میں جھانکنا تھا، ابھی تو مسکرانا تھا، ابھی تو چہکنا تھا، کاش ماں کی ممتا سایہ فگن ہوتی، باپ کے آغوش میں کھیلتی، دادا دادی کی آنکھوں کا تارا بنتی، نانا نانی کا دلار پاتی۔ کاش یہ سب میرے بھی حصے میں آتا، لیکن میرے ساتھ ایسا کیوں نہیں ہوا؟؟ آخر کیا خطا میری تھی؟؟؟ چلو! چلتے ہیں اپنے خالق کے پاس، وہیں انتظار کرلیں یوم حشر کا اور جس دن اس کی عدالت لگے گی تو ضرور پوچھوں گی'' فبأی ذنب قتلت '' (کس جرم کے پاداش قتل کیا گیا تھا؟؟)...........(سورۃ التکویر آیت نمبر ۹ پارہ نمبر ۳۰)۔

بچاؤ۔۔۔اُس آگ سے

فرحین اسرار فلاحی، جیراج پور، اعظم گڑھ

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَاراً وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ (سورۃ تحریم:٦)(اے لوگو جوایمان لائے ہو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے جس پر نہایت تندخو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔)

اس آیت کی تفسیر میں صاحب تفہیمؒ لکھتے ہیں کہ ایک شخص کی ذمہ داری صرف اپنی ذات ہی کو خدا کے عذاب سے بچانے کی کوشش تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا کام یہ بھی ہے کہ نظام فطرت نے جس خاندان کی سربراہی کا باراس پر ڈالا ہے اس کو بھی وہ اپنی استطاعت کی حد تک ایسی تعلیم وتربیت دے جس سے وہ خدا کے پسندیدہ انسان بنیں اور اگر وہ جہنم کی راہ پر جا رہے ہوں تو جہاں تک بھی اس کے بس میں ہو ان کو اس سے روکنے کی کوشش کرے۔ اس کو صرف یہی فکر نہیں ہونی چاہیے کہ اس کے بال بچے دنیا میں خوشحال ہوں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اسے یہ فکر ہونی چاہیے کہ وہ آخرت میں جہنم کا ایندھن نہ بنیں۔

صاحب تدبر اس آیت کے ضمن لکھتے ہیں کہ اب اس سورہ میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ محبت کے اندر کس طرح اللہ کے حدود کی حفاظت کی جائے۔ نفرت کی طرح محبت کا جذبہ بھی انسان پر غالب ہو جائے تو اس کو بالکل یک رخا بنا کے رکھ دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کے ساتھ حدود الٰہی کے معاملے میں نہایت بے حس اور مداہنت کرنے والا بن جاتا ہے جن سے اس کو محبت ہوتی ہے۔ بیوی بچوں کو وہ علانیہ دیکھتا ہے کہ ان کا رویہ شریعت سے ہٹا ہوا ہے لیکن یا تو اس کو ان کے انحراف کا احساس ہی نہیں ہوتا یا ہوتا ہے تو وہ یہ فرض کر کے نظر انداز کر جاتا ہے کہ آہستہ آہستہ خود بخود ان کی اصلاح ہو جائے گی۔ حد یہ ہے کہ بہت سے لوگ اپنے متعلقین کی کھلی ہوئی زیادتیوں میں ان کو ٹوکنے یا روکنے کے بجائے یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لیے کوئی عذر تلاش کریں۔ یہ کمزوری صرف عام لوگوں کے اندر ہی نہیں بلکہ

ان لوگوں کے اندر بھی پائی جاتی ہے جو دوسروں کی اصلاح کے لیے خدائی فوج دار بنے پھرتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس طرح کے لوگوں پر یہ حقیقت واضح نہیں ہوتی کہ کسی کے ساتھ محبت کا صحیح تقاضا یہ نہیں ہے کہ اس کو اپنی مداہنت سے خدا کے غضب کے حوالے کیا جائے، بلکہ اس کا صحیح تقاضا یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس کو خدا کی پکڑ سے بچایا جائے اگر چہ اس مقصد کی خاطر کچھ ناگواریاں بھی گوارا کرنی پڑیں۔ وہ شخص جو اپنے بیوی بچوں اور دوستوں کی خلاف شریعت باتوں سے چشم پوشی کرتا ہے وہ درحقیقت ان سے محبت نہیں کرتا بلکہ ان کو نہایت بے دردی کے ساتھ خدا کے غضب کے حوالے کر رہا ہے لیکن اس کو اپنے اس فعل کے نتائج کا شعور نہیں۔

آگے لکھتے ہیں کہ عام مسلمانوں کو یہ موعظت کہ آخرت کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنا اور اپنے متعلقین کا برابر احتساب کرتے رہو اور اس بات کو یاد رکھو کہ اللہ نے دوزخ پر جو فرشتے مامور کیے ہیں وہ نہایت سخت گیر ہیں، کسی کے ساتھ بھی وہ نرمی کرنے والے نہیں ہیں۔

آگے مذکورہ آیت کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''پیغمبرﷺ اور آپ کی ازواج مطہراتؓ کے احتساب کے بعد یہ عام مسلمانوں کو جھنجھوڑا ہے کہ تم بھی اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی اس آگ سے بچانے کی کوشش کرو جس کے ایندھن لوگ اور پتھر بنیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم نے دیکھ لیا کہ پیغمبر اور ان کی ازواج بھی اللہ تعالیٰ کے احتساب سے بالا نہیں ہیں تو دوسروں کا کیا ذکر! ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے جو کچھ کر سکتا ہے وہ اٹھا نہ رکھے، جب بھی دیکھے کہ ان کے اندر اللہ کی شریعت سے بے پروائی راہ پا رہی ہے فوراً اس کے سد باب کی فکر کرے۔ یہ پرواہ نہ کرے کہ یہ چیز اس کی طبیعت پر شاق گزرے گی اور اس کے نتیجہ میں ان کی ناگواری اور بیزاری مول لینی پڑے گی۔ یہ ناگواری و بیزاری اس امر کے مقابلے میں آسان ہے کہ آدمی ان کو جہنم میں جانے کے لیے چھوڑ دے اور آخرت میں اس کی مسئولیت جیسا کہ کلکم راعٍ و کلکم مسئول عن رعیتہ والی حدیث میں وارد ہے اپنے پر لے۔

بیسوی صدی کے دو مفکر جن کو قرآنیات پر عبور حاصل تھا انہوں نے قرآن پاک ہی کی روشنی میں آیت بالا کی تشریح بہت ہی خوش اسلوبی سے کی ہے جو سمجھنے کے لیے کافی ہے، اس کے باوجود قرآن پاک ہی سے دو مثالیں قوا انفسکم کے تناظر میں پیش کی جا رہی ہیں۔

سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۳۳ میں ایک نبی ایک مشفق باپ اپنی اولاد کو پیار و محبت سے اپنے سامنے

بلاتا ہےاور کس پیارے انداز میں کہتا ہے أم کنتم شهداء اذحضر یعقوب الموتُ اذقال لبنيه ما تعبدون من بعدی قال نعبد الٰهك وإلٰه آبائك ابراهيم واسماعيل واسحاق الٰهاً واحداً ونحن له مسلمون۔ (کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کی موت کا وقت آیا جبکہ اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا تم میرے بعد کس کی پرستش کروگے؟ تو وہ بولے کہ ہم تیرے معبود اور تیرے آباءو اجداد ابراہیم، اسماعیل اور اسحاقؑ کے معبود کی پرستش کریں گے جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔)

ایک برگزیدہ نبی کا انداز تخاطب دیکھیں جن کی تعلیم وتربیت یعقوبؑ نے زندگی بھر کی اور وہ وحدانیت کے علمبردار تھے اور شریعت ابراہیمی کے پیروکار لیکن نبی جسے کامل و پختہ یقین تھا کہ میری اولاد خوگروشیدائی ہے شریعت ابراہیمی کی، پھر بھی طمانیت قلب کے لیے بچوں سے پیارے انداز میں سوال کرہی دیتے ہیں اور بچے ہیں کہ یکسوئی سے جواب دیتے ہیں جو اس آیت کے ترجمہ میں پیش کردیا گیا ہے کہ اللہ واحد ہی سزاوار عبادت اور سزاوار اطاعت ہے۔ جب اپنے اہل وعیال اور اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانے کا جذبہ دل میں جاگزیں ہوتا ہے تو ایک مشفق باپ آخری وقت تک فکرمند ہوتا ہے کہ میری اولاد کس طرح جہنم کی آگ سے بچ جائے، اس پس منظر میں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے والدین یا بذات خود ہم اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاپائیں گے؟ کیا ہم اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہیں؟فواحسرتا!

یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کررہا تھا تو اس نے کہا بیٹا خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خودتاکید کی ہے۔اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دوسال اس کا دودھ چھوڑنے میں لگے، میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کر جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان، دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ مگر پیروی اس شخص کے واسطے کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے اس وقت میں تمہیں بتادوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو اور لقمان نے کہا تھا کہ بیٹا کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر بھی اور کسی چٹان یا آسمانوں یا زمین کہیں چھپی ہوئی ہو اللہ اسے نکال لائے گا وہ باریک بیں اور باخبر ہے، بیٹا نماز قائم کرنے کا حکم دے، بدی سے منع کر اور

جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر، یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے اور لوگوں سے منھ پھیر کر باتیں نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل، اللہ کسی پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا، اپنی چال میں اعتدال اختیار کرو اور اپنی آواز کو ذرا پست رکھو۔ سب آوازوں سے زیادہ بری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا آیات سے ہم بحسن وخوبی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک مشفق باپ اپنے جگر کے ٹکڑے کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے کس پیارے انداز سے وحدانیت کی تعلیم دے رہا ہے، قیام صلوٰۃ پر زور دے رہا ہے، اللہ کے عالم الغیب ہونے کی تعلیم دے رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ معاشرے میں کیسی شریفانہ زندگی گزاری جائے چند جملوں میں اس کا احاطہ کر دیا ہے۔ تدبر وحکمت سے بھری ہوئی یہ نصیحت سبق آموز ہی نہیں بلکہ کارگاہِ حیات میں ہمارے لیے اسوہ ہے۔ ہم اپنے گریباں میں جھانک کر دیکھیں کہ قوا أنفسكم و أهليكم نارا کے معاملہ میں ہماری کیا ذمہ داری بنتی ہے۔ اسلام ہی وہ مذہب اور نظریہ ہے جس میں روئے زمین پر بسنے والے ہر ذی روح کے حقوق اور اس پر کیا ذمہ داری عائد کی گئی ہے، اس کی جانکاری فراہم کی گئی ہے۔ اسلام کے علاوہ کوئی بھی مذہب، کوئی بھی نظریہ، کوئی بھی ازم اس عالم ارضی پر موجود نہیں ہے جس نے زندگی کے ہر گوشہ پنہاں یا رازدروں یا پردہ خفاء اور ہر عیاں معاملہ میں حضرت انسان کی رہنمائی نہ کی ہو، اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس میں انسانیت کے ہر طبقہ کے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے چنانچہ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہر میدان میں عمل کرنے کی سخت تاکید کرتا ہے۔

دین حنیف نے ہر گوشہ میں رہنمائی کی ہے، من چاہی زندگی گزارنے کے بجائے رب چاہی زندگی گزارنے کے لیے دوسرے انسانوں کے تعلق سے ہر انسان پر کچھ ذمہ داری عائد کی ہے، تاکہ دوسرے انسان کو زندگی گزارنے کے لیے پوری پوری مدد اور سہولت ملتی رہے اور دنیائے فانی میں امن و سکون قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہم پر بے پایاں احسان ہے کہ ہر گوشۂ زندگی کے حقوق بتلا کر اسلامی معاشرہ کو امن وسکون کا گہوارہ بنا دیا ہے قوا أنفسكم ...... اس آیت سے یہ مطلب صریحاً سامنے آتا ہے کہ والدین کے اوپر اپنے بال بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں کیا فرائض ہیں اور ساتھ ہی ساتھ قرآنی تعلیم کو سامنے رکھ کر اسوۂ نبی گیا رہا ہے، نبی آخر الزماں نے کن کن مواقع پر کیا تعلیم دی ہے ہمیں اس اسوہ کو سامنے رکھنا ہوگا، سیرت نبویؐ کے اوراق وا کرنے ہوں گے، ہمیں ایک ایک قدم پر رہنمائی ملے گی۔

اولاد کی تربیت کی سب سے پہلی سیڑھی اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں دعا مانگتے رہنا ہے مگر عجیب بات ہے کہ اولاد کو جب کوئی جسمانی تکلیف ہوتی ہے تو ماں باپ تڑپ تڑپ کر ان کی صحت مندی اور

درازیٔ عمر کے لیے دعائیں کرتے ہیں مگر اولاد کے نیک اور صالح بننے کے لیے دعانہیں کرتے، ان کی دنیا سنوارنے کے لیے مسلسل دعا کرتے ہیں اور ہر طرح کے وسائل فراہم کرتے ہیں مگر واحسرتا! اخروی زندگی کے لیے کوئی زادراہ مہیا نہیں کرتے۔

اس دار فانی میں بہت کم والدین ایسے نظر آتے ہیں جن کے نزدیک اپنی فرماں برداری، اپنی خدمت واطاعت اور اپنے حق کی ادائیگی بعد کی چیز ہوتی ہے، پہلے وہ اپنی اولاد میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری اور دینداری کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ ایسے ماں باپ کو حرام مال سے اولاد کی کمائی ہوئی گرم گرم گھی لگی ہوئی روٹیاں، ان کے آرام دہ سامان اور ان کا بے نمازی رہ کر خدمت کرنا اور قرآن سے دور زندگی گزارنا بالکل برداشت نہیں ہوتا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی صورت میں ہرگز اپنی اطاعت کرانا نہیں چاہتے۔ ان کے نزدیک اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت پہلے اور ان کی اپنی اطاعت بعد کی چیز ہوتی ہے، وہ اپنی اولاد کی ہر خدمت اور ہر عطیہ کو پہلے دین کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں پھر قبول کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ عن ابن عمرؓ قال سمعت رسول الله ﷺ یقول: کلکم راعٍ و کلکم مسئول عن رعیته۔ (حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا، فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص راعی ہے، نگہبان ہے، ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے قیامت کے روز اس کی ذمہ داری اور نگہبانی کے بارے میں سوال ہوگا۔ امام یعنی سربراہ حکومت ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا کہ تم نے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا، ان کی کیسی تربیت کی اور ان کے حقوق کا کتنا خیال رکھا؟ اور مرد اپنے گھر والوں بیوی بچوں کا نگراں ہے قیامت کے روز اس سے سوال ہوگا کہ بیوی بچے جو تمہارے سپرد کیے گئے تھے ان کی کیسی تربیت کی، ان کے حقوق کس طرح ادا کیے؟ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے جو چیز اس کی نگہبانی میں دی گئی ہے اس کے بارے میں اس سے قیامت کے روز سوال ہوگا کہ تم نے اس کی کس طرح نگہبانی کی، نوکر اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے، لہٰذا تم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی حیثیت سے راعی ہے اور جس چیز کی نگہبانی اس کے سپرد کی گئی ہے قیامت کے روز اس سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔

اس حدیث سے ہمیں جو تعلیم ملتی ہے وہ یہ کہ صرف باپ اور اولاد کی حد تک معاملہ محدود نہیں ہے بلکہ زندگی کے جتنے بھی شعبے ہیں ان سب میں انسان کے ماتحت کچھ لوگ ہوتے ہیں اور سب ایک دوسرے کے ذمہ دار، اور ایک دوسرے کے سلسلہ میں جوابدہ ہیں۔

نایاب خطوط

حالیہ دنوں ۱۴؍اپریل ۲۰۱۸ء کو معروف ملی رہنما اور برصغیر کی عظیم علمی شخصیت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
مرحوم اپنی کشادہ ظرفی اور وسعت نظری کے سبب ملت کے مختلف حلقوں اور مکاتب فکر کے درمیان یکساں مقبولیت رکھتے تھے۔ نوجوانوں سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ جامعۃ الفلاح میں منعقد سیمینار ''دعوت اسلامی اور مدارس دینیہ'' میں بھی آپ شریک رہے اور خطاب فرمایا۔
محترمی و مکرمی رضوان احمد فلاحی صاحب (لندن) نے رہنمائی فرمائی کہ مولانا محمد اسماعیل فلاحی صاحب کے دور ادارت میں مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نے مدیران حیات نو کے نام ایک اہم اور حوصلہ افزا پیغام بھیجا تھا۔ معمولی تلاش کے نتیجہ میں یہ پیغام مل گیا اور اسے اب شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔
مدیران حیات نو کے نام مولانا مرحوم کے اس پیغام سے آپ کی وسعت نظری اور کشادہ ظرفی کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم نوجوانوں سے کس قدر محبت کرتے تھے اور ان کی کس طرح حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔
توفیق خداوندی شامل حال رہی تو اس کالم کے تحت آئندہ بھی اہم اور نایاب خطوط کی اشاعت کا اہتمام کیا جاتا رہے گا۔ **(مدیر)**

۳؍نومبر ۱۹۹۳ء

مدیران محترم ماہنامہ ''حیات نو'' زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ

موقر ماہنامہ ''حیات نو'' نظر نواز ہوا۔ جس کے مشمولات میں قدیم صالح اور جدید نافع کے

امتزاج نے حلاوت ایمانی کے ساتھ دلکشی بھی المضاعف کردی ہے۔ اوراسی طرح آپ حضرات محرّرین کے بلند ذوق صحافت نے حیات نو کے مستقبل کی تابنا کی و پرتاثیری کو متیقن بنادیا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ کوملت اسلامیہ کے حق میں بہتر نتائج کا حامل بنائے اور حیات نو کے افادہ کوعموم وشمول ارزانی فرمائے۔

وقف دارالعلوم دیوبند — دعا گو

احقر محمد سالم قاسمی (۱)

---

(۱) مختصر سوانحی خاکہ۔۔۔مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمہ اللہ

نام: محمد سالم — والد کا نام: (حکیم الاسلام قاری) محمد طیب

جائے پیدائش: دیوبند، سہارنپور، انڈیا

تاریخ پیدائش: ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۲۶ء

ابتدائی تعلیم: مختلف اساتذہ سے انفرادی طور پر

ثانوی تعلیم: دارالعلوم دیوبند

تکمیل: دارالعلوم دیوبند

عمر کے آخری مرحلہ کی اہم ذمہ داریاں: سرپرست دارالعلوم وقف، نائب صدر مسلم پرسنل لاء

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی خانوادۂ قاسمی کے گل سرسبد اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب کے خلف اکبر و جانشین اور دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم اور اس کے سرپرست تھے۔ نیز حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے صحبت یافتہ اور شاگرد بھی۔ زمانہ تعلیم کے ان کے رفقاء میں کئی ممتاز شخصیات میں سے ایک نام مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم العالیہ کا بھی ہے، جو ہدایہ کے سبق میں ان کے ساتھ تھے، ان کے معاصرین اور رفقاء تعلیم میں حضرت مولانا اسعد مدنی ابن شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا عتیق الرحمٰن بن مولانا محمد منظور نعمانی وغیرہ شامل ہیں۔

ولادت باسعادت: اس علمی خانوادہ اور بزرگ والدین کی گود میں آپ کی ولادت بروز جمعہ بتاریخ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو دیوبند میں ہوئی۔

تعلیمی مراحل: آپ نے ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں فراغت حاصل کی، آپ کے دورہ حدیث شریف کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، جامع المعقول و المنقول حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ اور حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ وغیرہ ہیں۔

درس و تدریس: تعلیمی مراحل سے فراغت کے فوراً بعد ہی دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس مقرر ہوئے اور ابتداءً نورالایضاح اور ترجمہ قرآن کریم کا درس آپ سے متعلق رہا، پھر بعد میں بخاری شریف، ابوداؤد شریف، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ، شرح عقائد وغیرہ کتابیں آپ سے متعلق رہیں۔

۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم میں پیدا ہونے والے اختلاف کے بعد آپ نے اپنے رفقاء کے تعاون سے دارالعلوم وقف کے نام سے دوسرا دارالعلوم قائم کرلیا، جس کے شروع سے مہتمم اور بعد میں سرپرست ہوئے، ساتھ ہی بخاری شریف کی تدریسی خدمات کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔

تعلق بیعت وارشاد: حضرت مولانا محمد سالم صاحب دامت برکاتہم نے بیعت وارادت کا تعلق حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری سے قائم کیا، لیکن اصلاح وتربیت اپنے والد ماجد حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ سے لی، اوران کے مجازِ بیعت وارشاد ہوکران کے متوسلین اور خلفاء کی تربیت فرمائی۔ مولانا کے سلوک و ارشاد میں تربیت واجازت پانے والوں کی بھی ایک بڑی تعداد ہے، اجازت یافتہ حضرات کی تعداد ۱۰۰/ سے متجاوز ہے۔

عہدے ومناصب:

(۱) مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ماضی میں رکن مجلس عاملہ اور پھر نائب صدر۔

(۲) سرپرست دارالعلوم وقف دیوبند۔ (۳) صدر مجلس مشاورت۔

(۴) رکن مجلس انتظامیہ وشوریٰ ندوۃ العلماء۔ (۵) رکن مجلسِ شوریٰ مظاہر العلوم وقف۔

(۶) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کورٹ کے رکن۔ (۷) سرپرست کل ہند رابطہ مساجد۔

(۸) سرپرست اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا۔

انعامات واعزازات

(۱) مصری حکومت کی طرف سے برِّصغیر کے ممتاز عالم کا نشانِ امتیاز۔

(۲) مولانا قاسم نانوتوی ایوارڈ۔ (۳) حضرت شاہ ولی اللہؒ ایوارڈ۔

اور بہت سے انعامات واعزازات سے آپ کو نوازا گیا ہے۔

نعت

رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کرشمہ دیکھتے رہیے یہ فیضان رسالت کا
غبار راہ بن کر اڑ گیا لشکر ضلالت کا
پڑھایا جس نے دنیا کو سبق رحمت کا رأفت کا
علَم اس کو دیا جائے گا محشر میں شفاعت کا
ثبوت اس سے بڑا کیا ہوگا ان کی شان وعظمت کا
شرف بخشا خدا نے ان کو نبیوں کی امامت کا
زمیں کیا آسماں، لوح وقلم سب کچھ اسی کے ہیں
ادا حق کردیا جس نے پیمبر کی اطاعت کا
سلام اس محسن انسانیت پر جان رحمت پر
ملا جس کے وسیلے سے ہمیں رتبہ خلافت کا
نہیں آئے گا اب کوئی نبی صبح قیامت تک
بنایا حق تعالی نے انہیں خاتم رسالت کا
صبا لے چل اڑا کر تو مجھے شہر مدینہ تک
شرف پا جاؤں میں بھی ان کے روضے کی زیارت کا
ادا حق کر نہیں سکتا کوئی بھی نعت کا عارفؔ
بہادے چاہے دریا وہ فصاحت کا بلاغت کا

حافظ احسان الحق عارفؔ آئمی،
شیخ التفسیر کلیۃ البنات، جامعۃ الفلاح

غزل

جانے کن راہوں سے اس شہر میں لایا گیا ہوں
ایسا لگتا ہے یہاں پہلے بھی آیا گیا ہوں

میں تو گھر ہی میں ہوں، پر لوگ بتاتے ہیں کہ مَیں
دشت و صحرا میں بھٹکتا ہوا پایا گیا ہوں

میں نہ یوسف ہوں نہ ایسا کوئی نایاب صفت
کیا خبر کس لیے بازار میں لایا گیا ہوں

کاش اک روز کوئی چھو کے بتائے مجھ کو
کون ہوں؟ کون سی مٹّی سے بنایا گیا ہوں

میرے قدموں میں ستارے تھے مرے ہاتھ میں چاند
مدّتوں تک سرِ افلاک سجایا گیا ہوں

اتنی حیرت سے نہ دیکھو مجھے اے دیدہ ورو!
میں یہاں خود نہیں آیا ہوں، بلایا گیا ہوں

عزیز نبیلؔ،قطر

غزل

علم وفن کے راز سربستہ کو وا کرتا ہوا
وہ مجھے جب بھی ملا ہے ترجمہ کرتا ہوا

صرف احساس ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں
اور ایسا بھی مگر وہ بارہا کرتا ہوا

جانے کن حیرانیوں میں ہے کہ اک مدت سے وہ
آئینہ درآئینہ درآئینہ کرتا ہوا

کیا قیامت خیز ہے اس کا سکوت ناز بھی
ایک عالم کو مگر وہ لب کشا کرتا ہوا

آگہی اعصاب کی مانند رقصاں ہر طرف
میں کہ ہر دامِ شنیداں کو صدا کرتا ہوا

ایک میری جان کو اندیشے سو سو طرح کے
ایک وہ اپنے لیے سب کچھ روا کرتا ہوا

حال کیا پوچھو ہو منظرؔ کا وہ دیکھو اس طرف
ساری دنیا سے الگ اپنی ثنا کرتا ہوا

ڈاکٹر عمیر منظرؔ،مولانا آزاد کیمپس،لکھنؤ

غزل

کسی کا عشق مری ذات پر حصار ہوا
پھر اس کے بعد ہی میں معتبر شمار ہوا
کھلے تھے در تو نہ تھی روشنی کی کوئی کرن
چراغ اترنے لگے جسم جب مزار ہوا
وفا، خلوص، محبت، شعور، فکر و نظر
میں بے شمار حوالوں سے مستعار ہوا
گل سکون سر دامن وصال کہاں؟
خوشا کہ دل یہ رہین فراق یار ہوا
مرا سفر کوئی آسان تو نہ تھا اے دوست
میں پربتوں سے جو گزرا تو آبشار ہوا
اسی سے زخم سکھائے گئے ہیں رنجش کے
غبار وہ جو مرے آئینے پہ بار ہوا
میں اک سخن کہ جو تفہیم کو ترستا رہا
ترے لبوں پہ اترتے ہی شاہکار ہوا
چھپائے رکھتا کہاں تک اُسے جزیرۂ چشم
وہ آشکار ہوا اور ستارہ وار ہوا
نہ جانے کون سی وحشت کی جستجو ہے اسے
جو تا بہ روح میں اک دشتِ بے کنار ہوا

ارشد جمال صارمؔ،منصورہ طبیہ کالج، مالیگاؤں

تعارف وتبصرہ

تحریکی مکالمے

مصنف: شیخ جاسم محمد المطوع

مترجم: محی الدین غازی

صفحات: ۸۰/، **قیمت**: ۶۰/روپے، **سن اشاعت**: ۲۰۱۷ء

ناشر: ہدایت پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرس، نئی دہلی-۲۵، موبائیل نمبر: 9891051676

مبصر: محمد معاذ، معاون مدیر ماہنامہ رفیق منزل، نئی دہلی

خیر امت کے منصب اعلی پر فائز ہونے کی وجہ سے امت کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود اپنے آپ پر بھی ناقدانہ نگاہ ڈالتا رہے۔ جن حوصلہ مند نفوس نے یہ عزم مصمم کرلیا ہے کہ انہیں لوگوں کے دلوں پر دستک دے کر ان کے قلوب کو نور ایمانی سے منور کرنے کی سعی کرنی ہے، انہیں خود بھی اپنی کردار سازی اس طرح کرنی ہوگی کہ انہیں دیکھ کر خدا یاد آئے۔ شخصیت کو سنوارنے کا نسخہ کیمیا یہ ہے کہ اپنے آپ کو ایسے اصحاب خیر کی مجلسوں سے وابستہ کرلیا جائے جن کی گفتگوؤں سے ایمان میں حلاوت اور آخرت کی فکر تازہ ہوجاتی ہے۔ علاوہ ازیں کائنات میں بکھری ہوئی بے شمار نشانیوں پر غور کرتے رہنا بھی اہل نظر اور اولوالاباب کا شیوہ ہے۔

زیر نظر کتاب ''تحریکی مکالمے'' دراصل ایمان افروز اور تحریک افزا گفتگوؤں کا نادر مجموعہ ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ مکالمے اللہ تعالی کی ان مخلوقات سے بھی کیے گئے ہیں جو بظاہر زندگی سے عاری نظر آتی ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو اہل نظر حضرات کے لیے ان کی تخلیق میں بھی زندگی کا مقصد سمجھنے کے لیے بہت سے نکات پوشیدہ ہیں۔ یہ تمثیلی مکالمے جناب شیخ جاسم محمد المطوع نے تحریر کیے ہیں جنہیں بڑی ہی خوبصورتی سے جناب ڈاکٹر محی الدین غازی صاحب نے اردو پیراہن فراہم کیا ہے۔ کائنات میں غور وفکر کی بنیادی شرط بیان کرتے ہوئے جناب محترم مترجم رقمطراز ہیں کہ ''دل اور سمع وبصر نفس کی تنگ کوٹھری میں قید رہتے ہیں تو نفس کے علاوہ کسی کی آواز نہیں سن پاتے ہیں، انہیں اگر نفس کی بندشوں سے

آزاد کردیا جائے، تو وسیع کائنات کی بہت سی چیزوں سے ہم کلام ہونے کی لذت ملتی ہے''۔(صفحہ۴ر)
واقعہ بھی یہی ہے کہ اگر انسان اس کائنات کے کسی ذرے پر بھی غور کرے تو اس کا دل اللہ کی وحدانیت اور اس کی حاکمیت کی گواہی دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں رب کائنات نے بار بار غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ مصنف کی نظر میں یہ غور وفکر ایمان میں اضافے کا سب سے اہم محرک ہے۔

اس کتاب کو مصنف نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں ایمان افروز گفتگوئیں رقم کی گئی ہیں جیسے جائے نماز سے گفتگو، دینار سے گفتگو، دنیا سے گفتگو، دیوار سے گفتگو، فکر مندی سے گفتگو وغیرہ۔ ان گفتگوؤں سے اسلام کا صحیح اور جامع تصور کسی حد تک واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ اس ضمن میں بعض منفی صفات کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ اس سے یہ حقیقت بھی سمجھ میں آتی ہے کہ بظاہر قبیح نظر آنے والا عنوان بھی اپنے پہلو میں درسِ نصیحت رکھتا ہے۔ مثلاً ''گفتگو غفلت سے'' کا ایک مکالمہ کچھ اس طرح ہے:

''میں: کیا الفاظ بھی بولتے ہیں؟

وہ: ہاں جب غفلت حد سے بڑھ جاتی ہے تو الفاظ بھی پکار اٹھتے ہیں۔

میں: کیا مطلب؟ کیا میں غافل ہوں؟

غفلت: تمہارا دل ایمانی کیفیات سے غافل ہے، اب دیکھو تمہارے اندر مراقبے کی کمی ہے، مجاہدے کی کمی ہے، نہ احتساب ہے اور نہ توبہ وانابت ہے۔''(صفحہ۱۹ر)

اس گفتگو میں مصنف نے بڑی ہی خوبصورتی کے ساتھ غفلت کے بنیادی اسباب خود ''غفلت'' کی زبانی بیان کردیئے ہیں۔ اسی طرح ''بدی'' ایک منفی موضوع ہے۔ لیکن بدی کچھ اس طرح ضمیر کو جھنجوڑتی ہے، ملاحظہ ہو:

''یکا یک مجھے ایک سیاہ سی مخلوق نظر آئی، میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تم کون ہو؟

اس نے کہا: میں تمہاری بدی ہوں۔

میں: تم اس رات گئے کیوں آئی ہو؟

بدی: تمہیں نصیحت کرنے۔

میں: بدی اور نصیحت!!

بدوی: ہاں سمجھدار کے لیے بدی میں بھی نصیحت کا سامان ہے''(صفحہ۲۹ر)

ان تمام ہی گفتگوؤں کی خوبی یہ ہے کہ ان سب میں احتساب کا پہلو نمایاں ہے۔ اور مکالمے

حوالوں سے پر ہیں۔ جابجا سلف صالحین وائمہ مجتہدین کے اقوال وحکایات نقل کی گئی ہیں۔ جس سے قاری تاریخ کی اہم شخصیات سے بھی متعارف ہوتا ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ ''تحریک افزا گفتگوئیں'' ہے۔ اس حصے میں گفتگو حوصلے سے، گفتگو قربانی سے، گفتگو جمود سے، گفتگو قلعے سے، گفتگو پھول سے، گفتگو بادل سے، گفتگو فتنہ سے بڑی معنی خیز ہیں۔ مثلاً صفحہ ۲۶۲ پر فتنہ سے گفتگو کے زیرعنوان حضرت ابومحمد تستری کے حوالے سے یہ اہم نکتہ واضح ہوتا ہے کہ ''اہل معرفت کا فتنہ یہ ہے کہ کسی خاص وقت پر کسی حق کی ادائیگی ان پر واجب ہو، اور وہ اسے دوسرے وقت پر ٹال دیں''۔

اسی طرح حرکت وعمل پر ابھارنے والی ''گفتگو جمود سے'' بھی تحریک اسلامی کے کارکنان کے لیے خاصی اہم ہے، اس گفتگو میں ایک فریق ''جذبات'' بھی ہے۔ جذبات اور جمود کی باہم تکرار میں داعی بھی حصہ لے کر تحریک اور جمود کے بنیادی اسباب سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ الغرض یہ کتاب داعیان اسلام، کارکنان تحریک اسلامی کے لیے نہایت مفید اور حوصلہ افزا ہے۔ زبان نہایت آسان ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔

(موبائل:9891097859 ای میل:maazjamia@gmail.com)

ندائے تربیت

مصنف: عبدالحمید جاسم البلالی

مترجم : مفتی محمد ارشد فاروقی

صفحات : ۳۲۰

تاریخ اشاعت: اپریل ۲۰۱۵ء

قیمت: ۲۰۰ روپیہ

ناشر : المنار پبلشنگ ہاؤس N-27، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025

مبصر : محمد اسعد فلاحی، مرکز جماعت اسلامی ہند

عصر حاضر میں مسلمانوں کو مال ودولت کے کمانے اور اس سلسلے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش نے، خطرناک اخلاقی پستی کا شکار بنا دیا ہے۔ قرآن میں صراحتاً کہا گیا ہے: ''تم لوگوں

کو زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال دیا ہے‘‘(التکاثر:۱)۔حدیث میں بھی اس طرف اشارہ موجود ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ہر امت میں کوئی نہ کوئی چیز فتنہ رہی ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔(حدیث)

موجودہ دور میں جہاں ایک طرف مسلمان اپنے بچوں کو تعلیم کے لیے بہتر سے بہتر (اور آج کی اصطلاح میں کہا جائے تو اسٹینڈرڈ) اسکولوں میں داخل کرانے کو اپنا فرض سمجھتے ہیں وہیں دوسری طرف انہیں اپنی اولاد کی تربیت کے لیے وقت ہی میسر نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ تربیت میں کوتاہی کی وجہ سے نئی نسل اپنی اسلامی اقدار اور ثقافت کھوتی جارہی ہے۔

انسان کی زندگی میں اخلاق وتربیت کی بہت اہمیت ہے۔آپ ﷺ نے اس کی بہت بہت تاکید ہی نہیں کی بلکہ اس کو عملی جامہ پہنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔کہا جاتا ہے کہ یہ تربیت ہی کا اثر ہے جو کسی کو ڈاکو اور چور بنا دیتا ہے اور وہیں کسی دوسرے کو سیرت وکردار کا پیکر بنا کر وقت کا امام بنا دیتا ہے۔اگر بچپن ہی سے عادات واطوار کو صحیح سمت میں ڈھالا جائے تو اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

زیر نظر کتاب ’ندائے تربیت‘ دراصل شیخ عبدالحمید جاسم البلالی کی عربی کتاب ’وقفات تربویۃ‘ کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب باضابطہ کوئی تصنیف نہیں ہے بلکہ ان مضامین کا مجموعہ ہے جو کویت سے نکلنے والے ہفت روزہ میگزین المجتمع میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

اندازِ بیاں بہت سادہ، دلچسپ اور پرکشش ہے۔مصنف نے تربیتی نقطۂ نظر سے قرآنی آیات، احادیث نبوی، صحابہ کرام اور اقوال علماء کو بھی بطور عبرت ونصیحت درج کیا ہے، جس نے مجموعہ کو اور زیادہ بارونق بنا دیا ہے۔کتاب تقریباً ۳۲۰ (تین سو بیس) صفحات پر مشتمل ہے۔ہر مضمون تقریبا ڈیڑھ سے دو صفحات کا ہے اور ہر موضوع کو نہایت مؤثر اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔

شیخ البلالی عالم اسلام میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔موصوف، خطیب وامام ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مربی کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں۔ہم امید کرتے ہیں کہ موصوف کا یہ ’تربیتی مجموعہ‘ عوام وخواص کے لیے بہترین تحفہ اور دینی تربیت کا ایک آسان اور بہتر ذریعہ ثابت ہوگا اور بڑے پیمانے پر اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ، مصنف، مترجم اور اس میں مددگار، تمام ہی افراد کو جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین!

نوائے دل

شاعرہ: رضوانہ شبنم

صفحات: 112

قیمت: 150 روپے

اشاعت: 2014ء

ناشر: ایڈشاٹ پبلی کیشنز 104 بی اسمتا ایسکان 3، نیا نگر، میرا روڈ، ممبئی۔ 401107

مبصر: سعید اختر اعظمی

دفتر شکایات کے کھلے ہوں اور زباں پہ شکوے گلے ہوں تو یہ قربت وانسیت کی دلیل ہے۔ لگاوٹ نظر التفات چاہتی ہے، بے رخی نہیں۔ ذراسی بے توجہی خلش دل اور لب کشائی کا سبب بن جاتی ہے۔ آغاز کائنات سے ہی یہ مشرقی نسائی پیکر کا وطیرہ رہا ہے۔ رضوانہ شبنم بادہ عشق کے خمار سے سرشار ہیں اور محبوب کے حصار وفا میں رہنے کی خواہاں ہیں۔ وہ اس سے محبت بھری نگاہ کی تمنائی ہیں، نہ کہ تلون مزاجی کی۔ وہ چاہتی ہیں کہ سراپائے حبیب ہر لمحہ مرکز نگاہ رہے تاکہ قلب ونظر کی سیری کا سلسلہ دراز ہو۔ 'نوائے دل' رضوانہ شبنم کے احوال واقعی کا اولین سخن حوالہ ہے جو حمد ونعت، ترانہ اور چھ درجن غزلوں کا رہین منت ہے۔ یہاں وصال کے لمحے خال خال ہی ہیں جبکہ ہجر کے کرب انگیز لمحات بحر کے آب رواں کی مانند زیست کا جزو لازم بن گئے ہیں۔ یہ اشعار دیکھیے ؎

شبنم شب فراق کی یوں ظلمتیں بڑھیں　　　سینے میں داغ دل ہیں ضیابار کی طرح

....

دل یقیناً سکون پائے گا　　　آؤ آنسو بہا لیا جائے

....

اب وہ آتے نہیں تصور میں　　　کتنی سنسان ہوگئیں آنکھیں

....

شام وسحر ہے میرے لبوں پر یہ التجا　　　ہوجائے اُن کی چشم عنایت کسی طرح

....

قرار دل کو ملے گا اگر چلے آؤ　　　تمہاری یاد میں خود کو ڈبوگئی ہوں میں

جدائی کے طویل عرصہ کے باوجود ملاقات کا مختصر دورانیہ مسرت کے غنچے کھلاتا ہے، نخلِ دل کو شگفتگی وسرشاری عطا کرتا ہے اور آس کا جگنو بن کر خوش آئند مستقبل کی نوید بھی دیتا ہے۔

تمہاری یاد، تمہارا خیال ہے اب تک　　تمہارے عشق میں جینا محال ہے اب تک
سراپا دیکھے ہوئے ماہ وسال گزرے ہیں　　مری نظر میں وہی خد وخال ہے اب تک

....

تم نہ آ کر ملے، کتنے دن ہو گئے　　سوچتے سوچتے کتنے دن ہو گئے
تم تو پردیس جا کر وہیں رہ گئے　　پھول دل کے کھلے کتنے دن ہو گئے

....

دل ملے، آنکھیں ملیں، وہ بھی ملے　　آج پوری دل کی حسرت ہو گئی

....

تمہاری یاد میں شام وسحر تڑپتے ہیں　　چلے بھی آؤ کہ آٹھوں پہر تڑپتے ہیں

غرض یہ کہ محمد حسین پرکار، ڈاکٹر مغیرہ قاضی اور عارف اعظمی کی آراء سے مرصع 'نوائے دل' صرف رضوانہ شبنم کا دلی ترجمان ہی نہیں بلکہ تمام ہجر گزیدہ نفوس کی آئینہ داری بھی کرتا ہے۔

ناصحا اُن سے بھی جا کے کر گفتگو　　روز مجھ سے شکایات، کیا بات ہے
کوئی موسم ہو آنکھوں سے رکتی نہیں　　آنسوؤں کی یہ برسات، کیا بات ہے

آپ کے خطوط

وصیل خان، ممبئی

(حیات نو کے سیرت نمبر پر اردو نیوز، ممبئی میں مطبوعہ تبصرہ)

دہلی سے شائع ہونے والا یہ جریدہ جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ کا ترجمان ہے، جس کا مقصد افکار وخیالات کو خالص عصری اسلوب اور بے آمیز انداز میں اس طرح پیش کرنا کہ وہ اصول وفرامین جو اسلام کی بنیان مرصوص ہیں پوری طرح واضح اور روشن ہو جائیں، جن پر وقت اور حالات نے غیر ضروری طور پر گرد وغبار کی موٹی تہیں جما دی ہیں۔ حیات نو کا اکتوبر تا دسمبر کا یہ شمارہ 'محسن انسانیت نمبر' سے موسوم کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ اقصائے عالم کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے جس نے دنیا کو گہوارۂ امن بنانے کے لیے ایسے ایسے راز حیات بتائے ہیں کہ اگر ان پر اخلاص کے ساتھ عمل کر لیا جائے تو روئے زمین سے شر وفساد کا خاتمہ ہو جائے۔ موجودہ حالات کے تناظر میں جبکہ یہ دنیا جہنم زار بنتی جا رہی ہے، چاروں طرف ظلم وستم کی حکمرانی ہے، گھر سے گھر ملے ہوئے پڑوسی بھی ایک دوسرے کی جان کے درپے ہیں، انسانیت کراہ رہی ہے، ہر طرف شور برپا ہے، چیخ وپکار مچی ہوئی ہے، ایسے عالم میں اسوۂ رسول کی اہمیت بڑھتی جا رہی ہے۔ اس خصوصی شمارے کی اشاعت اسی مقصد سے کی گئی ہے۔ ادارتی صفحات میں مدیر موصوف تحریر کرتے ہیں: ''قرآن مجید جس اعلی اخلاق وکردار کی تعلیم دیتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اس اعلیٰ قرآنی اخلاق وکردار کا جیتا جاگتا اور چلتا پھرتا ثبوت تھا۔ صحابہ کرامؓ اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپؐ سے محبت کا اولین تقاضا یہ ہے کہ اپنی زندگی کو مکمل طور سے آپؐ کی زندگی کے مطابق ڈھال لیں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سب سے بڑی خواہش یہی ہوتی، کہ وہ اپنے آپ کو مکمل طور سے اللہ کے رسولؐ کے اخلاق وکردار کے سانچہ میں ڈھال لیں۔'' صحابہؓ نے سخت مجاہدہ اور محنت سے اسوۂ رسول کا نمونہ بن کر دکھا بھی دیا، جس کا انعام بھی انہیں ملا۔ اللہ نے واضح لفظوں میں کہہ دیا کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے اور

یہی بڑی کامیابی ہے۔اس شمارے میں اللہ کے رسولﷺ کی حیات طیبہ کے دعوتی اور تربیتی پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے بسیط اور سیر حاصل مطالعہ کیا گیا ہے۔اسوۂ رسول مکمل آفاقی اور روحانی کردار وعمل کا ایسا نمونہ ہے جسے اپنا کر نہ صرف اس دنیا کو گہوارۂ امن بنایا جاسکتا ہے بلکہ اس خدائے لم یزل سے بھی قربت حاصل کی جاسکتی ہے جو اس عظیم کائنات کا خالق اور ملک ہے۔اور جس کے تعارف کے لیے نبی کریمﷺ مبعوث کیے گئے۔مدیر موصوف مزید لکھتے ہیں:''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی ایمان کے تقاضوں میں شامل ہے۔فطری طور پر ہر بندۂ مومن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ وابستگی رکھتا ہے۔فی زمانہ اہل ایمان کا ایک بڑا حصہ اس وابستگی کے سلسلہ میں غلط تصورات کا شکار ہے۔ اطاعت رسولؐ سے عاری محبت رسولؐ اس وقت امت کا ایک بڑا مسئلہ بن چکا ہے،اور محبت رسولؐ میں شرک کی حد تک غلو نے معاملہ کو اور سنگین بنا دیا ہے۔اس شمارے میں محبت رسولؐ کے صحیح تصور اور اس کے عملی تقاضوں پر قرآن وسنت کے واضح نصوص کی روشنی میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔''موجودہ حالات میں امت آج ایسے دوراہے پر کھڑی ہے جہاں اسے بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہے۔ایک طرف اسے اسلام کی وہ واضح تصویر پیش کرنی ہے جو قرآن اور اسوۂ رسول سے مبرہن ہو،دوسرے خود اسے اپنے اندر سے ان اصنام باطلہ کو نکال باہر کرنا ہے جو غلط تصورات وتاویلات کے سبب اس کی روح تک اترے ہوئے ہیں۔یہ تو مشکل کام لیکن بہر حال کرنا ہے۔کیونکہ اس کے بغیر دین ودنیا کی سرخروئی ممکن نہیں۔اس خصوصی شمارے کے قلم کاروں میں مولانا سید جلال الدین عمری،مشرف حسین صدیقی، عبیداللہ فلاحی،اشتیاق عالم فلاحی،ظفر احمد الاثری،غلام رسول فلاحی،ساجدہ ابواللیث فلاحی،جوہر جاوید، سید راشد حامدی،محمد انس وغیرہم شامل ہیں۔مجموعی طور پر یہ شمارہ نہ صرف قابل مطالعہ ہے بلکہ دوستوں اور متعلقین کو تحفتاً بھی دیا جاسکتا ہے۔

محمد معاذ، معاون مدیر ماہنامہ رفیق منزل،نئی دہلی

حیات نو کا تازہ شمارہ پرکشش سرورق کے ساتھ قدرے تاخیر سے موصول ہوا۔اس تاخیر میں خیر کا پہلو یہ رہا کہ شمارہ ہذا مزید شوق کے ساتھ پڑھا گیا۔آج نفسا نفسی کے اس دور میں جبکہ ہمارے اجتماعی اداروں پر یہ شعر صادق آتا ہے کہ

بظاہر بھیڑ ہے رستے میں لیکن　　ہر اک راہی اکیلا چل رہا ہے

مدیر محترم کا یہ احساس اور خواہش بڑی اہم ہے کہ'' آج جبکہ سماج سے سماجی زندگی ختم ہوگئی ہے اور انسان کے لیے بہکنے اور بھٹکتے چلے جانے کے امکانات بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ضرورت ہے کہ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کو اپنا رویہ اور اپنی پہچان بنالیا جائے۔اپنے اوپر بھی احتساب کی نظر رکھی جائے اور اپنے آس پاس بھی احتساب کی نظر رکھی جائے،اور خیر خواہی کے ایمانی اصول کی بنیاد پر ہر جگہ اور ہر موقع پر اپنی اجتماعیت کی حفاظت اور اجتماعیت کو درست اور صحیح انداز میں لے کر چلنے کی کوشش کی جائے۔''(صفحہ:۴)

قرآن حکیم سے استفادے کے لیے ضروری ہے کہ کتاب اللہ کی زبان سے شناسائی حاصل کی جائے،تا کہ اس الٰہی پیغام کی وسعتوں سے کسی حد تک آگاہی ہو سکے۔علاوہ ازیں ماضی قریب اور جدید کے اردو تراجم سے استفادہ بھی اس سلسلے میں خاصا مفید ہے۔جن سعید ہستیوں نے قرآن حکیم کی ترجمہ نگاری میں حصہ لیا ہے ان کے اس سرمایہ کا تقابلی مطالعہ کلام اللہ کو سمجھنے میں بھی معاون ثابت ہوتا ہے۔محترم محی الدین غازی صاحب ایک عرصے سے ''اردو تراجم قرآن پر ایک نظر'' کے عنوان سے مختلف معروف تراجم کا جائزہ لے رہے ہیں۔امید ہے کہ جلد ہی اس کا مجموعہ منظر عام پر آجائے گا۔

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے اپنے اشعار کے ذریعے باطل نظریات کی کمزوری کو بخوبی واضح کیا ہے۔علامہ اقبالؒ نے مغربی معاشرہ اور طرز زندگی کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا اور یوں اسلام کی حقانیت ان پر واضح ہوگئی۔اقبالؒ کا اس حقیقت پر کامل ایمان تھا کہ مغرب میں نظر آنے والی چکا چوند دراصل نقش برآب ہے اور ایک ایسا آشیانہ ہے جو نہایت ہی کمزور شاخ پر تعمیر کیا گیا ہے۔

اقبالؒ ان خوش بخت شعراء میں سے تھے جنہوں نے اپنے اشعار کے ذریعہ اسلامی تہذیب کی افادیت کو ثابت کیا۔جناب محترم ضمیر الحسن خاں فلاحی صاحب نے علامہ کے تہذیبی افکار کا علامہ کے شعری اور نثری کلام کی روشنی میں جائزہ لیا ہے۔موصوف لکھتے ہیں:''اقبال نے اپنی پوری زندگی قرآنی معارف کی تحصیل اور تشریح وتبلیغ میں لگادی کہ یہی اسلام اور اسلامی تہذیب کا اصل اور بنیادی مأخذ ہے''۔(صفحہ ۳۸)

اسلامی سماج کی تعمیر نو میں مسجد کا کردار بڑا بنیادی اور کلیدی ہے۔لیکن بدقسمتی سے مساجد کی حالت دیکھ کر یہ شعر یاد آتا ہے کہ

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

محترم مدیر جناب ابوالاعلی سبحانی کا مضمون ''دینی وسماجی بیداری میں مساجد کا رول'' مساجد کی مرثیہ خوانی کی وجوہات پر بڑی حد تک روشنی ڈالتا ہے، کیونکہ مسجد کی حیثیت ایک اسلامی معاشرہ میں ایسی ہی ہے جیسے کہ جسم میں دھڑکتے ہوئے دل کی ہوتی ہے، یعنی دل جتنا کمزور ہوگا یہ جسم خاکی بھی اتنا ہی کمزور ہوتا جائے گا۔ اسی لیے مسلم معاشرہ کو اسلامی رنگ میں رنگنے کے لیے ضروری ہے کہ مساجد کو ان کا حقیقی مقام دیا جائے، تاکہ امت مسلمہ اس ادارے سے اپنے آپ کو قلبی طور سے ہم آہنگ کر سکے اور اس کے فیوض وبرکات کا بچشم خود مشاہدہ کر سکے۔ محترم مدیر بجا طور سے اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ ''اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف مساجد اپنے حقیقی کردار اور اپنی حقیقی تاثیر سے محروم ہیں۔ دوسری طرف ان مساجد کا دامن تنگ سے تنگ تر کر دیا گیا ہے''۔ (صفحہ: ۴۳)

مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمہ اور علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمہ برصغیر کے تابناک ستارے ہیں جنہوں نے ملک وملت کی نشأۃ ثانیہ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ جناب ڈاکٹر محمد افضل فلاحی نے ان دونوں بزرگوں کے اخلاص اور ملک وملت کے تئیں ان کی تڑپ کو خطوط وتحریروں کے حوالے سے نذر قارئین کیا ہے، جس سے ان دونوں کی شخصیتوں کے بعض نمایاں اور قابل تقلید پہلو سامنے آتے ہیں۔

جامعہ کے لیل ونہار

مصباح الباری فلاحی، استاذ شعبہ اعلی، جامعۃ الفلاح

سرپرست حضرات کے ساتھ ذمہ داران کی نشست

۷ر فروری ۲۰۱۸ء بروز چہارشنبہ ابواللیث ہال میں ایک نشست ششماہی امتحان میں ناکام ہونے والے طلبہ کے سرپرست حضرات کے ساتھ ہوئی۔ مولانا اقبال احمد اصلاحی صاحب کی تلاوت قرآن پاک سے نشست کا آغاز ہوا۔ شعبہ اعلی کے ایک سو پانچ طلبہ اس سال ششماہی امتحان میں ناکام ہوئے، ان میں سے ۲۵ر سے زائد طلبہ کے سرپرست اس نشست میں شریک ہوئے۔ مولانا عبدالعظیم فلاحی صاحب اور مولانا اقبال احمد اصلاحی صاحب نے اس موقع پر کچھ تجاویز پیش کیں۔ صدارتی خطاب میں مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے فرمایا کہ یہ مدرسہ اس علاقہ کا ہے، اور اس سے سب سے زیادہ اسی علاقہ کے لوگوں کو فیض حاصل کرنا چاہیے۔ اس پہلو سے ہمیں توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ مولانا نے کہا کہ یہ خطہ علم ومعرفت کا خطہ ہے، اس خطہ میں فلسفہ اور علم الکلام جیسے موضوعات پر بھی خوب کام ہوا ہے، لیکن اب صورتحال یہ ہے کہ اس خطہ کو خلیج پر معاشی انحصار نے کافی نقصان پہنچایا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ جن طلبہ کے سرپرست یہاں موجود ہیں وہ ذرا بھی توجہ دیں تو طلبہ کے اندر نمایاں تبدیلی نظر آئے گی، بلکہ سرپرست حضرات ایک ماہ بھی قاعدے سے توجہ دیں تو یہ تبدیلی نظر آنے لگے گی۔ مولانا نے کہا کہ یہ خطہ جو سب کو پڑھا رہا ہے اگر یہیں کے بچے تعلیم نہ حاصل کرسکیں تو یہ بہت ہی افسوس کی بات ہوگی۔

ایس آئی او کی کل ہند کانفرنس کی تفہیم کا پروگرام

۹ر فروری ۲۰۱۸ء بروز جمعہ بعد نماز مغرب جامعہ کی مرکزی لائبریری ہال میں ایس آئی او آف

انڈیا کی جانب سے ایک پروگرام ''عزت نفس کی بازیافت: مستقبل کی تشکیل'' کے عنوان پر منعقد ہوا۔ برادر اسداللہ (عربی اول) کی تلاوت قرآن پاک سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ ترانہ تنظیم توثیق کلیم (عربی دوم) نے پیش کیا۔ محمد رافع فلاحی صدر حلقہ ایس آئی او یوپی مشرق نے ایس آئی او آف انڈیا کی سرگرمیوں کا تفصیلی تعارف پیش کیا، اور ایس آئی او آف انڈیا کی کل ہند کانفرنس کا مقصد بیان کیا۔ برادر مسیح الزماں صاحب نے اپنی گفتگو میں ملک کی موجودہ صورتحال پر گفتگو کی اور اس سلسلے میں ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں، اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ ناظم جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب نے زادراہ پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ جامعہ کی تاسیس کا مقصد وہی ہے جو مقصد ہماری تخلیق کا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہزار لعنت تاریکی پر کرنے سے بہتر ہے کہ اپنے حصے کی ایک شمع جلاتے جایئے، اگر آپ نوجوانی میں محنت نہ کرسکیں اور علم حاصل نہ کرسکیں تو چار تکبیروں کے ساتھ آپ کی نماز جنازہ ہو جانی چاہیے۔ موصوف نے فرمایا کہ آپ ؐ کا ساتھ دینے والے نوجوان ہی تھے۔ نوجوانوں کے پاس علم اور تقوی ہونا چاہیے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ ایسے نوجوان مطلوب ہیں جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے سرگرم ہوں۔ ضرورت ہے کہ طلبہ مثالی بنیں اور حقیقی نوجوان بنیں۔ آخر میں برادر مسیح الزماں اور صدر حلقہ برادر رافع فلاحی نے طلبہ کے سوالات کے جواب دیے۔ کلمہ تشکر برادر محمد ابراہیم خاں صدر یونٹ نے پیش کیے، اور نظامت کے فرائض محمد یاسر (عربی سوم) نے انجام دیے۔

جامعہ میں ریفریشر کورس برائے معلمین ومعلمات

۱۱؍فروری ۲۰۱۸ء بروز یک شنبہ ابواللیث ہال میں ایک پروگرام ریفریشر کورس برائے معلمین ومعلمات ناظم جامعہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ مولانا ارشد جمال قاسمی صاحب کی تلاوت کلام پاک سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ افتتاحی کلمات میں مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے فرمایا کہ کسی قوم کی ترقی میں معلمین ومعلمات کا بڑا اہم رول ہوتا ہے۔ یورپ کی ترقی میں بھی ہمیں یہی چیز ملے گی۔ جامعہ قدیم وجدید علوم کا سنگم ہے۔ یہاں طالبات کی تعلیم کا بھی نظم ہے۔ اور یہاں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی زور دیا جاتا ہے۔ علی گڑھ اور علماء دیوبند کے درمیان موجود خلیج کو دور کرنے کے لیے شبلی نے پورے ملک میں تحریک چلائی تھی اور اسی تحریک کے نتیجہ میں ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا تھا۔ جامعۃ الفلاح کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ طلبہ کے ساتھ ساتھ طالبات کی تعلیم کا بھی نظم ہے۔

نگران اعلی جناب مولانا اعجاز قاسمی صاحب نے معلمین کے اوصاف پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ تعلیم وتدریس دنیا کا سب سے معزز شعبہ ہے، کیونکہ کسی ملک کی ترقی اس کے اساتذہ پر ہی منحصر ہوتی ہے۔ اسی طرح اساتذہ اور معلمات کے اوصاف پر گفتگو کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ اساتذہ اور معلمات میں کچھ اوصاف کا ہونا ضروری ہے، مثلاً (۱) اخلاص (۲) سیرت وکردار کی پختگی (۳) علم وحکمت کی پختگی (۴) عفو ودرگزر اور حلم وبردباری (۵) نظم وضبط کی پابندی (۶) وقت کی پابندی (۷) درس کی منصوبہ بندی (۸) ذمہ داری اور اللہ کے سامنے احساس جوابدہی۔

جناب مولانا کمال الدین فلاحی صاحب نے طریقہ تدریس کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا میں تدریس کے مختلف طریقے رائج ہیں اور اسی طرح کورس اور عمر کے لحاظ سے بھی مختلف طریقے ہیں۔ طریقہ تدریس میں استقرائی طریقہ سب سے بہتر طریقہ تدریس ہے۔ موصوف نے عملی نمونہ پیش کرتے ہوئے اس کی خوبیاں بھی بیان کیں، کہ دنیا میں جونئی نئی ایجادات ہوتی ہیں وہ اسی استقرائی طریقہ کا نتیجہ ہیں۔ اور اسی طرح دوسرا طریقہ استخراجی ہوتا ہے۔ دنیا میں دو ہی طریقہ رائج ہیں، البتہ استقرائی طریقے سے طلبہ کے اندر خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔

صدارتی خطبہ میں ناظم جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب نے پروگرام کی تحسین فرمائی، مولانا نے کہا کہ یہ پروگرام کافی اچھا رہا، یہ پروگرام تو یاددہانی کے لیے ہوتے ہیں، اس لیے ضروری نہیں کہ ہر بات نئی ہو۔ پہلے سیشن کی نظامت کے فرائض جناب مولانا ذکی الرحمٰن غازی صاحب نے انجام دیے۔

دوسرا سیشن بعنوان تدریس کا عملی نمونہ برائے شعبہ اعلی جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب کے زیر صدارت ہوا، مندرجہ ذیل اساتذہ کرام نے اس میں عملی نمونہ اسباق پیش کیے:

عربی ادب (کلیلۃ ودمنۃ)	عربی سوم	مولانا مصباح الباری صاحب
نحو (النحو الواضح)	عربی دوم	مولانا معین الدین صاحب
تفسیر (قرآن کریم)	عربی چہارم	مولانا ذکی الرحمٰن غازی صاحب

صدارتی خطاب میں مہتمم تعلیم وتربیت جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے فرمایا کہ سارے عملی درس نہایت ہی عمدہ تھے، پھر تمام ہی دروس کے خصائص ونقائص بیان کیے۔ مولانا نے اساتذہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام ہی اساتذہ نے عمدہ تیاری کے ساتھ درس کے نمونے پیش کیے ہیں، اس کے لیے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کلمہ تشکر صدر مدرس شعبہ اعلی مولانا انیس احمد فلاحی

صاحب نے پیش کیے اور نظامت کے فرائض مولانا اعجاز احمد قاسمی صاحب نے انجام دیے۔

تقریب تقسیم انعامات

۱۳رفروری ۲۰۱۸ء بروز سہ شنبہ ابواللیث ہال میں تقریب تقسیم انعامات منعقد ہوئی، اس موقع پر قرأت اور نعت کے مقابلہ میں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو انعامات سے نوازا گیا۔ افتتاحی گفتگو میں مولانا عبدالعظیم فلاحی صاحب نے پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو مبارکباد پیش کی اور انہیں مزید محنت اور جانفشانی کی ہدایت کی۔ اس کے بعد مولانا ولی اللہ مجید قاسمی صاحب کے ہاتھوں انعامات تقسیم ہوئے۔ انعام حاصل کرنے والے طلبہ کے نام درج ذیل ہیں:

پہلا گروپ مقابلہ قرأت ۔۔۔ برائے عربی اول ودوم

محمد عاقب	عربی دوم	اول
غازی صلاح الدین	عربی اول	دوم
عبیداللہ ظفر	عربی اول	سوم

دوسرا گروپ مقابلہ قرأت برائے شعبہ حفظ

محمد حسان عارف	حفظ	اول
محبوب عالم	حفظ	دوم
محمد تابش	حفظ	سوم
محمد ریان	حفظ	سوم

مقابلہ نعت برائے حفظ وثانوی اور عالمیت وفضیلت

خالد فیصل	عربی دوم	اول
اسامہ احسن	عربی سوم	دوم
محمد عمر اشرفی	عربی سوم	دوم
اطہر حیدر	عربی چہارم	دوم
ابوطلحہ	عربی چہارم	دوم
التمش المامی	درجہ ہشتم	سوم

صدارتی خطاب میں ڈاکٹر تابش مہدی صاحب نے فرمایا کہ طلبہ محنت اور کوشش کرتے رہیں، تاکہ اس سے بھی اچھے انعامات حاصل کرسکیں۔ اس مقابلہ میں حصہ لینے والوں کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ قرأت وتجوید اور نعت خوانی کا فن ایک مقدس اور مبارک فن ہے، اس لیے آپ لوگوں کو اس طرح کے مقابلوں میں شرکت کرتے رہنا چاہیے۔ اختتامی کلمات مولانا انیس احمد فلاحی صاحب نے پیش کیے، نظامت کے فرائض محمد امجد (فضیلت سال اول) نے انجام دیے۔

ڈاکٹر تابش مہدی صاحب کی کتاب کا رسم اجراء

۱۳؍فروری ۲۰۱۸ء بروز سہ شنبہ بعد نماز عصر جامعہ کی مسجد میں جناب ڈاکٹر تابش مہدی صاحب کی ایک کتاب کا رسم اجراء ہوا۔ پروگرام کا آغاز جناب تابش مہدی صاحب کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت کے بعد آپ کی کتاب ''رہنمائے تجوید وقرأت'' کا اجراء ہوا۔ اس موقع پر جناب مولانا ولی اللہ مجید قاسمی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کے رسولؐ قرآن مجید کے تلفظ اور لہجہ کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ غیروں نے اپنی زبان کے لہجہ کی خوب حفاظت کی لیکن ہم نے قرآن کے الفاظ کے تلفظ اور لہجہ کا اہتمام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ یہ کتاب اسی پہلو کی طرف توجہ دلاتی ہے۔

مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ ہم اپنے ادارے میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی تجوید وقرأت پر بھی زور دے رہے ہیں۔ یہ کتاب طلبہ اور اساتذہ کے لیے نہایت مفید ہوگی۔

ڈاکٹر تابش مہدی صاحب نے اپنے تأثرات میں فرمایا کہ میں نے پہلے تجوید پر ایک کتابچہ تیار کیا تھا اور اب اس میں مزید اضافہ کرکے مفید بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس میں آسان سے آسان انداز میں تمام مباحث کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب میں احساس تجوید کو بھی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ناظم جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ ہمیں قرآن مجید صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ اس کے لیے ہمیں استاذ کی ضرورت بھی پڑے گی، یہ کتاب بڑی مفید اور معاون کتاب ہے، اللہ اس کتاب کی مدد سے ہمیں صحیح تجوید اور تلفظ کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کی توفیق عنایت فرمائے۔

الفلاح ہسپتال کی تیسری منزل کا افتتاح

۳؍مارچ ۲۰۱۸ء بروز شنبہ بعد نماز عصر جامعہ کے ہسپتال کی تیسری منزل کا افتتاح ہوا، پروگرام کا آغاز برادر توقیر کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ برادر یٰسین منظور نے کلام اقبال پیش کیا۔ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے افتتاحی کلمات پیش کیے۔ الفلاح ہسپتال کے تعارف اور اس کی ضروریات پر جناب ڈاکٹر محمد عارف صاحب نے گفتگو رکھی۔ تأثرات جناب نفیس احمد صاحب اور جناب ڈاکٹر محمد خالد شیخ صاحب نے پیش کیے۔ خصوصی خطاب جناب ابوعاصم اعظمی صاحب کا ہوا، موصوف نے فرمایا کہ آج ہمیں اپنے اخلاق و کردار کو سنوارنے کی ضرورت ہے، اگر ہم صحیح راستے پر آجائیں تو غیر مسلم خود بخود ہمارے ساتھ ہوجائیں گے۔ مسلمانوں کو تعلیمی میدان میں آگے آنا چاہیے اور اپنے اندر لوگوں کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا چاہیے۔ کلمات تشکر ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری صاحب نے پیش کیے۔ نظامت کے فرائض جناب ڈاکٹر محمد آصف صاحب نے انجام دیے۔

اجتماع ارکان جماعت اسلامی ہند حلقہ یوپی مشرق

۳۰؍۳۱؍مارچ و یکم اپریل ۲۰۱۸ء بروز جمعہ، شنبہ و یک شنبہ جامعہ میں ارکان جماعت اسلامی ہند حلقہ اتر پردیش مشرق کا سہ روزہ اجتماع منعقد ہوا۔ جس میں پانچ سو سے زائد ارکان نے شرکت کی۔ جبکہ خواتین ارکان کی تعداد اسی (۸۰) تھی۔ اس سہ روزہ اجتماع میں مندرجہ ذیل مقررین نے مختلف موضوعات پر خطاب کیا:

مولانا سید جلال الدین عمری صاحب، امیر جماعت اسلامی ہند
مولانا نصرت علی صاحب، نائب امیر جماعت اسلامی ہند
انجینئر سلیم صاحب، قیم جماعت اسلامی ہند
جناب محمد نعیم صاحب، امیر حلقہ جماعت اسلامی یوپی مشرق
جناب محمد شاہد صاحب، سکریٹری حلقہ جماعت اسلامی یوپی مشرق
مولانا عتیق الرحمٰن اصلاحی صاحب، سکریٹری اسلامی معاشرہ، جماعت اسلامی یوپی مشرق
ڈاکٹر فرحت حسین صاحب، امیر حلقہ جماعت اسلامی یوپی مغرب
ڈاکٹر ایاز احمد اصلاحی صاحب، سکریٹری تربیت، جماعت اسلامی یوپی مشرق

مولانا نفیس اختر قاسمی صاحب، ناظم شہر کانپور، جماعت اسلامی ہند
مولانا تاج محمد صدیقی صاحب
ڈاکٹر ملک فیصل فلاحی صاحب
ایڈوکیٹ نجم الثاقب فلاحی صاحب
محترمہ ساجدہ فلاحی صاحبہ
محترمہ صالحہ صالحاتی صاحبہ
محترمہ تسنیم نزہت صاحبہ، ناظمہ خواتین، جماعت اسلامی یوپی مشرق

۳۱/مارچ کے پروگرام کا آغاز مہتمم تعلیم وتربیت ورکن شوری ونمائندگان جماعت اسلامی یوپی مشرق جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب کے درس قرآن سے ہوا۔

یکم اپریل کے پروگرام کا آغاز معروف ماہر قرآنیات، سابق صدر جامعۃ الفلاح مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی صاحب کے درس قرآن سے ہوا۔ جس کے بعد ناظم جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب نے درس حدیث پیش کیا۔

ناظم اجتماع جناب مولانا محمد عمران فلاحی صاحب تھے۔

انجمن طلبہ قدیم فلاح یونٹ کی ایک اہم نشست

۳۰/۳۱/مارچ ویکم اپریل ۲۰۱۸ء بروز جمعہ، شنبہ و یک شنبہ جامعہ میں جماعت اسلامی ہند حلقہ یوپی مشرق کا اجتماع ارکان ہوا۔ اس اجتماع میں دور دراز علاقوں سے فلاحی برادران کی تشریف آوری پر انجمن طلبہ قدیم فلاح یونٹ کی جانب سے ایک نشست نائب صدر انجمن و ناظم جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب کی صدارت میں رکھی گئی، جس میں تقریباً بیس فلاحیوں نے شرکت کی۔ تمام ہی رفقاء نے اپنی اپنی سرگرمیوں کا تعارف پیش کیا۔ افتتاحی کلمات ناظم جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب نے پیش کیے۔ اس کے بعد مختلف امور پر تبادلہ خیال ہوا۔ اس موقع پر احباب کی جانب سے درج ذیل مشورے اور احساسات سامنے آئے:

(۱) جامعہ میں عالمیت پانچ سال اور فضیلت دوسال کی کردی جائے۔

(۲) تحریکی مزاج طلبہ واساتذہ میں کیوں نہیں پیدا ہو رہا ہے، جامعہ اپنے مقاصد میں

ناکام ثابت ہورہا ہے۔

(۳) طلبہ کی اخلاقی صورتحال میں گراوٹ آرہی ہے، نیز طلبہ کی صحیح نہج پر تربیت نہیں ہو پارہی ہے۔

(۴) اساتذہ کومضامین وہی دیے جائیں جن میں وہ مہارت رکھتے ہیں۔

(۵) تعلیمی اوقات کے علاوہ اوقات میں طلبہ اپنا وقت موبائیل میں ضائع کرتے ہیں۔ اس جانب خاص توجہ کی ضرورت ہے تاکہ طلبہ تعلیمی وقت کے علاوہ اپنے کمروں میں وقت کا صحیح استعمال کریں۔

(۶) دارالاقامہ میں صفائی کا اہتمام نہیں ہے،بعض کمرے تو انتہائی نامعقول حالت میں ملے،جس پر کافی افسوس ہوا۔

(۷) حیات نو میں جامعہ کے احوال تفصیل سے درج کیے جائیں تاکہ صحیح صورت حال واضح ہوسکے۔

ناظم جامعہ کے ساتھ اساتذہ کی نشست

۳/اپریل ۲۰۱۸ء بروز دوشنبہ ابواللیث ہال میں ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب کی صدارت میں جملہ اساتذہ کرام کی ایک نشست ہوئی۔ افتتاحی کلمات میں مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب (مہتمم تعلیم وتربیت) نے فرمایا کہ اس وقت امتحان بالکل قریب ہے،تقریباً سبھی لوگوں کا کورس مکمل ہورہا ہے۔تعلیم کے جواہداف ہیں امید کی جاتی ہے کہ ان کا پاس ولحاظ رکھا گیا ہوگا۔

ناظم جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ ہر استاذ کو اپنے علم میں اضافہ کرتے رہنا چاہیے، اگر کوئی استاذ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اب ایک مکمل استاذ بن چکا ہے تو وہ استاذ نہیں ہے، بلکہ ہر سال طلبہ کے سامنے نئی نئی معلومات کے ساتھ تشریف لائیں۔ اسی طرح ناظم جامعہ نے سفراء حضرات کو رمضان کے دوروں سے متعلق بھی ہدایات پیش کیں۔آخر میں اساتذہ کرام کی جانب سے کچھ مشورے بھی آئے،جن پر تبادلہ خیال کیا گیا۔

رپورٹ سالانہ اجلاس مجلس شوریٰ

منعقدہ: ۸/اپریل ۲۰۱۸ء

مقام: دعوت بلڈنگ مرکز جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی

زیرِ صدارت: محترم جناب مشرف حسین صدیقی فلاحی

اجلاس کا آغاز مولانا محمد اسماعیل فلاحی صاحب کی تذکیر سے ہوا۔ سکریٹری انجمن نے کارروائی کو آگے بڑھاتے ہوئے صدر انجمن کو افتتاحی کلمات کے لیے دعوت دی۔ بعد ازاں مختلف کمیٹیوں کی رپورٹس پیش کی گئیں اور فیصلے لیے گئے۔

(۱) رجسٹریشن کمیٹی کی رپورٹ کے بعد فیصلہ لیا گیا کہ جامعۃ الفلاح کی نظیر کو سامنے رکھتے ہوئے انجمن کا رجسٹریشن کرالیا جائے۔

(۲) باصلاحیت افراد کے لانے کے سلسلے میں یہ طے ہوا کہ جامعہ کے ذمہ داران کی خواہش پر ایسے افراد لانے کے سلسلے میں انجمن تعاون کرے گی۔ البتہ فرد کے تئیں جملہ ذمہ داری جامعہ کی ہوگی۔

جامعہ میں موجود انجمن کی جانب سے مبعوث استاذ سے متعلق یہ بات آئی کہ ان کے معاہدہ کی مدت ختم ہوچکی ہے۔ ان کی مدت کار کی توسیع کے سلسلے میں یہ طے ہوا کہ اس میقات کے آخر تک توسیع کی جائے۔ البتہ صرف مالیات کی فراہمی انجمن کرے گی، فرد کی کارکردگی کے بارے میں جملہ ذمہ داری جامعہ کی ہوگی۔

(۳) حیات نو کے بارے میں یہ طے ہوا کہ

☆ ماہانہ شائع کیا جائے گا۔

☆ انجمن مالی بحران کے مسئلہ کو حل کرے گی۔

☆ باقی سید راشد حامدی صاحب اشتہارات اور سبسکرپشن کے ذریعہ حیات نو کے حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کریں گے۔

☆ راشد حامدی صاحب جامعۃ الفلاح کے ذمہ داران سے مل کر محسنین جامعہ کے نام

حیات نو کی ترسیل سے متعلق معاملات طے کریں گے۔

☆ مزید یہ کہ خریداری کے کام کو منظم کیا جائے گا۔

(۴) اس میقات میں اجلاس عام نومبر ۲۰۱۸ء کے پہلے ہفتے میں کیا جائے گا۔

تاریخ کا حتمی فیصلہ سکریٹریٹ میں کیا جائے گا۔

اجلاس عام کے کنوینز سید راشد حامدی صاحب ہوں گے۔

برادر نعیم احمد غازی صاحب کا تعاون انہیں حاصل رہے گا۔

(۵) مولانا محمد عمران فلاحی صاحب کو انجمن ہاسٹل کے لیے فنڈ فراہمی کے لیے اعظم گڑھ کا انچارج بنایا گیا۔

(۶) مولانا محمد طاہر مدنی صاحب انجمن ہاسٹل کے سلسلے میں ممبئی کا دورہ کریں گے۔

(۷) انجمن کے مقصد اولیں پر غور فکر اور اس کے مطابق لائحہ عمل پر غور وخوض کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی، جس کے ارکان درج ذیل ہیں:

(۱) جناب شمشاد حسین فلاحی صاحب (کنوینز)

(۲) مولانا نسیم احمد غازی فلاحی (ممبر)

(۳) مولانا صباح الدین ملک قاسمی فلاحی صاحب (ممبر)

(۴) جناب ابوالاعلیٰ سید سبحانی صاحب (ممبر)

(۸) اگلی شوریٰ اجلاس عام کے موقع پر ہوگی۔

(۹) مولانا شبیر احمد فلاحی صاحب کی کچھ تجاویز شوری میں پیش ہوئیں۔ انجمن ہاسٹل سے متعلق انہوں نے جن امور کی طرف توجہ دلائی ہے، ڈائریکٹر انجمن ہاسٹل کو توجہ دلائی جائے گی کہ وہ ان امور کا لحاظ رکھیں۔

نوٹ: دوران اجلاس:

(۱) سابقہ روداد کی خواندگی ہوئی۔

(۲) سالانہ کارکردگی کی رپورٹ پیش ہوئی، جس کی توثیق کی گئی۔

(۳) انجمن ہاسٹل کی رپورٹ زبانی دی گئی اور آمد وصرف کا حساب پیش کیا گیا۔

☆ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب کی دعا پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

درج ذیل حضرات اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے اجلاس میں شریک نہیں ہوسکے:

(۱) مولانا انیس احمد مدنی صاحب جامعۃ الفلاح۔

(۲) حسن حبیب فلاحی صاحب نیپال۔

(۳) علی محمد فلاحی صاحب ہریانہ

☆ جناب اسعد اثری فلاحی صاحب مدعو خصوصی کی حیثیت سے شریک اجلاس رہے۔

مدینہ یونٹ کی نشست

جامعۃ الفلاح اور انجمن طلبہ قدیم دونوں کی مجلسِ شوری کے رکن اور جماعت اسلامی ہند کے سکریٹری شعبۂ تربیت جناب مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی صاحب گزشتہ دنوں عمرے کے لیے تشریف لائے۔ اس مناسبت سے مدینہ منورہ یونٹ کی ایک نشست ۱۶/ مارچ ۲۰۱۸ء بروز جمعہ برادر محمد اقرار فلاحی صاحب (صدرِ یونٹ) کے گھر پر رکھی گئی۔ اس نشست کا آغاز برادر مرزا احمد وسیم بیگ کی تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد صدرِ یونٹ برادر محمد اقرار فلاحی صاحب نے افتتاحی کلمات پیش کیے، جس میں انہوں نے مہمانِ خصوصی جناب مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی صاحب کا اہلِ یونٹ کی جانب سے دل کی گہرائیوں سے خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد شرکائے نشست کا باہمی تعارف ہوا۔

بعد ازاں مدینہ یونٹ کے خازن برادر عبید اللہ طاہر فلاحی نے یونٹ کی سرگرمیوں کا تعارف کرایا، اس موقع پر انہوں نے مدینہ یونٹ کی ''کتاب مہم'' کا خصوصی تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ اس مہم کے تحت پچھلے دس سالوں سے مادرِ علمی کی لائبریری کے لیے کتابیں بھیجنے کا کام مسلسل جاری ہے، اور اب تک ۵۲۲۹ کتابیں (جو ۹۲۵۲ جلدوں پر مشتمل ہیں) جامعہ بھیجی جا چکی ہیں۔

اس کے بعد مہمانِ خصوصی مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی صاحب نے مختصر تذکیر کی، انہوں نے اپنی مدینہ آمد اور مدینہ یونٹ کے ساتھیوں سے ملاقات پر خوشی کا اظہار کیا اور مدینہ یونٹ کی ''کتاب مہم'' کو سراہا، ہر جگہ اور ہر حال میں اللہ کے دین کی خدمت کرتے رہنے کی نصیحت کی اور دعاؤں سے نوازا۔

اس نشست کا اختتام پر تکلف عشائیے پر ہوا۔ نظامت کے فرائض سکریٹری یونٹ برادر سعود اختر فلاحی نے انجام دیے۔ اس موقع پر مدینہ یونٹ کے تقریباً تمام ہی ساتھی موجود تھے۔ (رپورٹ: محمد انس فلاحی)